مذہبی، سیاسی، معاشرتی، ادبی، طبی اور سائنسی سرگرمیوں کا ترجمان

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ آٹھ برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد، بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ

جلد 10۔ شمارہ 3۔ جولائی تا ستمبر 2022ء۔ زیرادارت: رانا محمد حسن خاں

RH DREAM EVENTS LIMITED

TEL: 020 3674 7909 **MOB: 077 9299 8973**

- Venue Hire
- Decoration
- Catering
- Cutlery & Crockery
- Service Staff

BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER

Package Price

- Event Management
- Cinematic Videography
- Photography
- DJ-Dhoolchi
- Chauffeur Service

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)
Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔مشعل راہ	2
اداریہ ''موجودہ حالات ایک نبی کا تقاضا کرتے ہیں''	3
اداریہ نوائے وقت مورخہ 7 ستمبر 2022ء پر تبصرہ	5
تہذیب بابل کی مستقل اور یروشلم کی عارضی تباہی کے اسباب!	7
قناعت اور شکرگزاری!	11
نظام کے قیدی!!	13
آج کی بات!	16
''کتاب: قائداعظم، تقاریر و بیانات 1911 تا 1931''	18
کامن ویلتھ گیمز 2022 میں آسٹریلیا کے 1000 گولڈ میڈل	20
ترقی یا غلامی کا پھندہ!!	22
جب ریل کا انجن سٹارٹ ہوا!!	25
تہذیب بابل کی مستقل اور یروشلم کی عارضی تباہی (بقایا حصہ صفحہ ۱۰)	26
''رسم و رواج''	28
بیچارے عوام جانتے ہیں لیکن یقین نہیں کرتے!!	29
یونان میں دس روز (سفرنامہ)	31
ہومیو پیتھک نسخہ جات (برائے **لیکوریا** LEUCORRHOEA)	35
شمائل نبوی ﷺ۔(قسط 18۔ سیرت النبی ﷺ کے درخشان پہلو)	37
آوارگانِ دشتِ خار۔(قسط 29) پاکستان کا سب سے بڑا شیطان، دعوت اسلامی پاکستان، واجب القتل کون؟	40
قرض! (افسانہ)	43
پشتون شاعر ریاضی خٹک 45	45
شعروشاعری	46
ڈاکٹر طارق انور باجوہ، محترمہ امۃ الباری ناصر صاحبہ، محترمہ منیرہ منیر صاحبہ، منیر باجوہ، محترمہ نیلم رباب صاحبہ، محترمہ نا صرہ امتیاز صاحبہ، شاہد سلیم، احسان دانش، محترمہ بشارت سکھی صاحبہ	

☆☆☆

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 1 پاؤنڈ ... سالانہ ممبرشپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ لَیَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیۡنَ یَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَهَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ (سورۃ التوبہ آیت ۳۴)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً دینی علماء اور راہبوں میں سے بہت ہیں جو لوگوں کے اموال ناجائز طریق پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اُنہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدے۔

حدیث النبی ﷺ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ ''قیامت کے روز عالم کو لایا جائے گا، اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں نکل پڑیں گی وہ اُن کے لئے اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گھومتا ہے، دوزخ والے اسکے ساتھ گھومیں گے اور کہیں گے تجھے عذاب کیوں دیا گیا؟ وہ کہے گا میں بھلائی کا حکم دیتا تھا اور خود عمل نہ کرتا تھا، برائی سے روکتا تھا اور خود برائی میں مبتلا تھا۔'' (صحیح بخاری و مسلم)

مشعل راہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سامنے دو جنازے لائے گئے۔ ایک شخص نے شراب کے نشے میں دُھت ہو کر جان دی تھی۔ دوسرا ایک عورت کا جنازہ تھا جس نے زنا کروایا تھا اور اُس کے پیٹ میں حرام کی اولاد تھی اُس نے شرمساری سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی تھی۔ امام صاحب سے پوچھا گیا آپ ان کا نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپؒ نے پوچھا کیا مرنے والے یہودی، نصرانی یا مجوسی تھے؟ کہا گیا نہیں، اس دین پر تھے جس کی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا تم خود گواہی دیتے ہو کہ وہ ملّت اسلام پر تھے۔ یہ بتاؤ کہ اِن کا ایمان تہائی تھا، چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا؟ بتایا گیا کہ ایمان کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ آپؒ نے فرمایا، عجیب بات ہے جب تم خود ہی اقراری ہو کہ وہ مومن تھے پھر پوچھتے ہو کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں۔ انہوں نے جھینپ کر کہا، ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ جنّتی ہیں یا دوزخی؟ آپ نے فرمایا میں ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو ابراہیمؑ نے اُس قوم کے بارے میں کہا تھا جو جُرم میں بڑھ کر تھی۔ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ ترجمہ کنزالایمان) یعنی تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تُو بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ مکمل آیت از حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ: اے میرے ربّ! انہوں نے یقیناً لوگوں میں سے بہتوں کو گمراہ بنا دیا ہے۔ پس جس نے میری پیروی کی تو وہ یقیناً مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تُو بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے) آپؒ (امام ابوحنیفہؒ) نے فرمایا عیسیٰؑ نے کہا تھا: اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۔ (المائدہ ۱۱۸ ترجمہ کنز الایمان از احمد رضا خان) اگر تُو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو انہیں بخش دے تو بیشک تُو ہی ہے غالب حکمت والا۔ آپؒ (امام ابوحنیفہ نے (یہ بھی) فرمایا میں ان سے حضرت نوحؑ کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا آپؑ نے فرمایا تھا (قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ ؕ قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۚ اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۚ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ ۔) ''کافر بولے، کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں؟ فرمایا، مجھے کیا خبر ان کے کام کیا ہیں، ان کا حساب تو میرے ربّ پر ہی ہے اگر تمہیں سمجھ ہو، اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں، میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔''

(سورۃ الشعراء آیات ۱۱۲ تا ۱۱۶ ترجمہ کنز الایمان) (امام الاعظم از علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری۔ اہل سُنّت نیٹ ورک)

اداریہ ”موجودہ حالات ایک نبی کا تقاضا کرتے ہیں“

بے فکر اشرف المخلوقات اس وقت ایٹم بموں، ہائیڈروجن بموں اور نائٹروجن بموں کے ڈھیر پر بیٹھ کر ایک دوسرے کی جوئیں نکالنے میں مصروف ہے۔ اگر مغرب میں بسنے والے تعلیم یافتہ انسان اپنے خالق کے انکار پر مُصر ہیں تو دوسری طرف رینگنے والے جاہل انسان اپنے ایک خالق کو برائے نام مانتے ہیں مگر خود ساختہ لاکھوں خداؤں پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ اہل مغرب ایک خدا سے بے نیاز ہو کر ہم جنس پرستی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، شراب نوشی، زنا، جوئے، فحش فلموں وغیرہ کو قانونی تحفظ دے رہے ہیں۔ اہل اسلام اخلاقیات کی تمام حدیں عبور کر کے ایسی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں کہ جس کا انجام اجتماعی موت کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا ہے۔ اسلامی لٹریچر کے مطابق اعلانیہ کافر سے منافق بدتر ہوتا ہے۔ جب ہم مغرب کے کافروں اور اہل اسلام کی اکثریت کی منافقت کا انصاف کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے موازنہ کرتے ہیں تو یقین آ جاتا ہے کہ یقیناً کافر، منافق سے بہتر ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں اہل مغرب کی اکثریت جنہیں کافر کہا جاتا ہے نے قانون کی حکمرانی کو متفقہ طور پر سب سے بڑی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گرجا گھروں کو تالے لگنے شروع ہو گئے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ گرجا گھروں اور ان میں بیٹھے پادریوں نے کئی صدیوں تک اہل مغرب کو جہالت، بیماری، بے روزگاری، بھوک اور فرقہ واریت میں جکڑے رکھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ منافقت کے جام بھر بھر کر پلائے گئے۔ اب بھی نام نہاد پادری ماضی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بچوں سے جنسی زیادتی، زنا، شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔ بعض اوقات قانون کے شکنجے میں بھی جکڑے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک بزرگ پادری صاحب تبلیغ کرنے میرے گھر آئے، باتوں باتوں میں نے ان سے پوچھا آپ بھی شراب پیتے ہیں تو انہوں نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا اور شرمندگی سے جواب دیا کہ ”ہاں! بچوں پر برا اثر نہ پڑے اس لیے چھپ کر گھر کے تہہ خانے میں پیتا ہوں۔“

مورخ ٹوئن بی کے مطابق شراب نوشی اہل مغرب کی بہت بڑی کمزوری ہے جو انہیں ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ بہر حال قانون کی حکمرانی نے اہل مغرب کو مادی وجسمانی طور پر امن وسکون عطا کر دیا ہے مگر روحانی پیاس میں ہر ڈھلتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے بالمقابل اہل اسلام میں جوں جوں مدارس اور خوبصورت مساجد میں اضافہ ہو رہا ہے توں توں منافقت، جہالت، بیماری، بے روزگاری، بھوک اور فرقہ واریت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ مشہور کالم نگار سلیم صافی نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ بلا شک وشبہ پاکستانی من حیث القوم منافق ہو چکے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نہ خدا اور رسول کی بات مانتی ہے اور نہ ہی قانون کو عزت دیتی ہے۔

اللّٰہ عَزَّ وَجَل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ—وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى—یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۴۲) ترجمہ: کنز الایمان: ”بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔“

اور ایسے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے بھی اللہ کے رسول ﷺ کو منع کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ”اے نبی! تم خواہ ایسے لوگوں کیلئے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو اگر تم ستر مرتبہ بھی انھیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا“ (سورہ توبہ 80) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس فرمان ہے کہ ”چار صفتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک صفت ان میں سے پائی جائے تو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ یہ کہ جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کر جائے اور جب لڑے تو اخلاق ودیانت کی حدیں توڑ ڈالے“ (بخاری ومسلم)۔

آیئے اب اہل مغرب اور اسلامی دنیا کو چھوڑ کر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آباد مسلمانوں کی اکثریت کا جائزہ مقدس آیات قرآنیہ اور احادیث کی روشنی میں لیتے ہیں۔

معزز قارئین! دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا آپ ایسے کسی بھی پاکستانی جو آئین پاکستان کے مطابق بھی پکا مسلمان ہو کے متعلق یہ گواہی دے سکتے ہیں جو باقاعدگی سے مسجد

نماز پڑھتا ہو اور کرپٹ نہ ہو اور جھوٹ بھی نہ بولتا ہو، امانتوں کا حق ادا کرنے والا، وعدوں کو پورا کرنے والا اور بدگو و بداخلاق بھی نہ ہو۔ اگر کسی کو کوئی ایسا شخص مل جائے تو ضرور بتایئے گا تا کہ یہ عاجز اپنے کہے پر شرمندہ ہو اور استغفار کرے۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جو جتنے بڑے عہدے پر ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ سیاسی و مذہبی لیڈران کی منافقت زدہ چرب زبانی کے سحر میں گرفتار عام جھوٹے مسلمان شہریوں کو تو یہ بھی تمیز نہیں کہ سیاست اور شرافت کا آپس میں کچھ لینا دینا نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اہل مغرب اور اہل اسلام کے حالات ایک نبی کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے جب بھی کافروں اور منافقوں کی اکثریت ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا ہے تا اتمام حجت ہو۔

سیلاب کی تباہ کاریوں پر ہمیں بھی بے حد دکھ ہے، ہمیں ملکہ برطانیہ کی وفات پر بھی اتنا دکھ نہیں ہوا جتنا اس باپ کے ڈوب جانے کا دکھ ہے جو اپنے تین بچے اور بیوی لاوارث چھوڑ گیا۔ اور حیرانگی اس بات پر تو بالکل بھی نہیں ہوئی کہ ان سیلاب کے ماروں نے جن منافقوں کو ووٹ دیے تھے انہوں نے ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا، اس بات پر بھی کچھ برا نہیں لگا کہ سیلاب زدوں کے لیے بھیجی جانے والی عالمی امداد بازاروں میں بک رہی ہے۔ اور ہاں تب تو ضرور اچھا لگے گا جب سیلاب کے مارے اپنے ووٹ آئندہ کسی سیلاب زدہ کو دیں گے۔ مگر منافقت ایسا ہونے نہیں دے گی۔ خدا کرے کہ جلد از جلد منافقت کا قومی بلکہ عالمی بت پاش پاش ہو جائے۔

''غم و ھم انسان کے ایمان کا وزن ہے'' (کلام: رانا محمد حسن خاں)

''غم و ھم انسان کے ایمان کا وزن ہے''
سب غافلوں پر کسی شیطان کا وزن ہے

کیوں قتل کرتے ہو انسانوں کو اے غافلو
سب پر فقط اپنی ہی تو جان کا وزن ہے

واعظ جی ہر اک جاں میں تو اک جہاں ہے نہاں
تم پر کیوں الحاد اور ایقان کا وزن ہے

اس زرد اور پچکے ہوئے چہرے پر تمہارے
جی ہاں پڑا حور اور غلمان کا وزن ہے

بعد از اجل جو یہ سینے پر پڑے ہے غافل
دنیا میں یہ عیش کے سامان کا وزن ہے

اللہ جو سب کو عدم سے دہر میں لایا ہے
ہر انساں پر اس کے اس احسان کا وزن ہے

باطل کو جو خاک میں ملا دے سن لو حسنؔ
ہاں صرف اور صرف اسی عِرفان کا وزن ہے

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تا کہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔ اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ادارہ پیشوا بلا تفریق مذہب و ملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔ سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔ معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔ انشاءاللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔ لندن)

اداریہ نوائے وقت مورخہ 7 ستمبر 2022ء پر تبصرہ

(تحریر: محمد کولمبس خاں۔ جرمنی)

راقم کا تعلق پاکستان میں 7 ستمبر 1974ء کو ناٹ مسلم قرار دیئے جانے والی اکثریت کی نگاہ میں گمراہ کمیونٹی سے ہے اور 1974ء کے بہت سے واقعات کا عینی شاہد ہے۔ تب پاکستان ٹائمز، امروز اور نوائے وقت وغیرہ نیز کئی ہفت روزہ اخبارات کے باقاعدہ مطالعہ کے علاوہ مختلف علماء اور سیاستدانوں سے بھی سُن گُن تھی۔ آج نوائے وقت کا اداریہ پڑھ کر مجبوراً یہ تبصرہ لکھنا پڑا ہے کہ اکثریت بے شک مجھے مسلمان نہ سمجھے یہ اس کا حق ہے لیکن کوئی قانون یا اخلاق اسے یہ اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ مجھے گمراہ ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولے یا بلا دلیل ثابت شدہ کافر تصور کر کے میرے شہری حقوق غصب کرنے کو جائز بھی سمجھے۔

نوائے وقت کے اداریہ کو کسی دور میں بڑا سوبر سمجھا جاتا تھا۔ حمید نظامی مرحوم کے دور میں تو طالب علم اس کی کوٹیشنز پیش کر کے اچھی پوزیشن لیا کرتے تھے۔ آج تنزل کا یہ مقام آن پہنچا ہے کہ یہ زیرِ تبصرہ نوائے وقت کا ایک ہی اداریہ 2019ء سے اس تاریخ کو ہر سال کاپی پیسٹ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ ثقاہت کا یہ عالم ہے کہ ہر بار 22 مئی 1974ء کے واقعہ کو 2 مئی 1974ء کا واقعہ لکھا گیا ہے۔

راقم نے 1973 میں لاء کالج ملتان میں داخلہ لیا تھا یہاں ایشیا سرخ ہے کے نعرے لگانے والی پروگریسو یونین تھی جبکہ نشتر میڈیکل کالج میں اسلامی جمیعت طلبہ کی حکمرانی تھی۔ انہوں نے 1974ء میں ایک ہفتے کا ٹور خلاف معمول براستہ ربوہ بنایا گیا تو ان کے ارادوں کی بھنک بعض طلبا کو ہوگئی اور وہ سفر پر ساتھ نہیں گئے۔ جب ربوہ اسٹیشن پر گاڑی رکی تو طالب علموں نے مغلظات بلند کیئے جن کی مزید تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ جاتے ہوئے یہ بھی اعلان کیا کہ ہم 29 کو واپس اسی راستہ سے آئیں گے۔ (مستورات کے حوالے سے شرمناک رویّہ اپنانے کی دھمکی بھی دی۔ جس کے بیان کی یہ تحریر متحمل نہیں)

راقم نے بحیثیت پاکستانی شہری پاکستانی ترانہ کبھی بیٹھ کر نہیں سنا۔ اور نوعمری میں ہی 1965ء کی جنگ میں دفاعِ پاکستان کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا۔ 1971ء میں مجاہد فورس میں خدمت انجام دی۔ وارث شاہ کے وطن میں ہزارہا سال سے آباد، آباؤاجداد کی یادیں اثاثہ ہیں۔ جو کوئی پاکستان سے ہماری محبت پر شک کرے وہ اپنے اندر کے چور سے مجبور ہی ہو سکتا ہے۔

ختم نبوت کے مسئلہ کی وجہ سے مگر اس پر بات کیئے بغیر اسمبلی کی کاروائی میں ناٹ مسلم قرار دینے کا باعث یہ بیان کیا جاتا ہے:۔

''مرزا ناصر نے قادیانیوں کے علاوہ کسی کو بھی مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا''

یہ سراسر جھوٹ ہے اور کامیابی سے اشتعال دینے کی خاطر یہ بتایا جاتا ہے جبکہ سب سے پہلے فتویٰ کفر بانی جماعت پر لگایا گیا تھا۔ جس کے جواب میں ایک حدیث کی تشریح کے مطابق جواب دیا گیا تھا جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے خود کافر ہو جاتا ہے۔ لہذا تمہارے عمل سے کفر سرزد ہوا ہے۔ اس بات سے کوئی عالم کہلانے والا مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ پھر کفر اور کفر کی بھی وضاحت کی گئی تھی۔ مثلاً یہ حدیث بھی ہے اور اکثر جگہ لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ:۔

''مسلمان اور کافر کے درمیان فرق صرف نماز کا ہے''

جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کے لئے جو شرائط درج ہیں ان کے مطابق ایک احمدی بعد بنیادی عقائد کے چوتھے نمبر پر بیعت کنندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ:

''عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے''

اور آج بھی یہ اقرار لازمی ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ احمدی

کسی نان احمدی کو کافر نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔

اس اداریہ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ:۔

''آج ملک میں فتنہ قادیانیت کو فروغ دینے ،اس کا پراپیگنڈہ کرنے یا اسکے پمفلٹ اور کتب تقسیم کرنے کی قانوناً ممانعت ہے۔آج کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی انکی کسی عبادت گاہ کو مسجد کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔''

اگر راقم اوپر کی عبارت کا ترجمہ لکھے کہ:۔

Propaganda or distribution of its pamphlets and books is prohibited by law.

تو یہی بات پاکستان کو دنیا میں بدنام کرنے کی سازش قرار دے کر لعن طعن شروع کر کے عوام کی آنکھوں پر پٹی کس دی جائے گی۔

پاکستان کے سیاسی اور مذہبی رہنما (اپنے مخالفین کی زبان میں رہزن) مجھے انسان کے بجائے پاکستان کی پارلیمنٹ سے کتا قرار دلوادیں (جو کہ ممکن ہے) اوپر سے مجبور کریں کہ آپ کے اشارہ پر بھونکنا بھی شروع کردوں اور دنیا آپ کی اس قانون سازی کو غلط سمجھ کر رد کرے تو اس سے پاکستان کی ہونے والی بدنامی کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈال کر عوام کو اشتعال دلا کر ملک کی خدمت نہیں بجالا رہے۔

پاکستان ایک طویل عرصہ سے غلط ٹریک پر چلنے کے نتیجے میں منزل سے فاصلہ میں اضافہ کر رہا ہے۔اہل نظر کو ملک میں اخلاقی زوال اور شعوری پسماندگی اندر ہی اندر زخمی کر رہی ہے۔چند روز قبل ہی ربوہ میں ایک حافظ قرآن نے ایک احمدی کو قتل کر دیا جس کا ذکر کرتے ہوئے وفاقی وزیر خزانہ مفتاح اسماعیل نے واقعہ کی مذمت کرنے سے بھی جان کو خطرہ لاحق ہو جانے کے خوف کا اظہار کیا۔

جان کے نقصان کے باوجود اس نوجوان کی اس حرکت پر غصّہ کے بجائے اس پر ترس آتا ہے جس بیچارے نے غلط سافٹ ویئر کی بدولت نیکی سمجھتے ہوئے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

روزنامہ نوائے وقت کے لگا تار 4 سال سے ایک ہی گھسے پٹے اداریہ میں جھوٹ پر مبنی واقعات کے ذکر کے بعد اس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:۔

''خدا ہم سب کا ایمان سلامت رکھے اور فتنۂ قادیانیت سے وابستہ برگشتہ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔آمین۔''

راقم نوائے وقت کے اس فقرہ کو ان کی نیک نیتی فرض کر کے ان کی خدمت میں ''آمین'' گزارش کرتا ہے۔

اگر میں برگشتہ ہوں تو راہ ہدایت دکھائیں۔صرف اتنی شرط ہے کہ آپ قرآن سے دلیل دیں گے اور جھوٹ نہیں بیان کریں گے۔اگر آپ کے ضابطہ اخلاق میں ذرا سی بھی جان ہے تو اوپر فخر سے بیان کردہ احمدیوں پر نشر و اشاعت کی پابندی اٹھوا دی جائے تا کہ جس طرح عوام میں وضعی باتوں سے اشتعال پروان چڑھایا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں احمدیوں کے علاوہ بلا امتیاز دیگر لوگوں کی جانیں جا رہی ہیں اس میں کچھ کمی آ سکے۔

حُب رسول ﷺ اور اس کے آج کل کے افسوسناک طرزِ اظہار پر چند اشعار کے ساتھ یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے۔

طریق شرع نہیں اسوۂ رسول نہیں
مقام شرم ہے یہ ''غول'' اتقیا کے لیے
نبیؐ کے نام مقدس کی آڑ لے لے کر
وفا کی شان دکھانے چلے جفا کے لئے
جو رہن ہو چکی ابلیس کے خزانے میں
وہ ''روح'' نذرِ شہنشاہِ انبیاءؐ کے لئے؟
دہان کھلتے ہی اڑتی ہے بوئے طاغوتی
نہیں! یہ لب نہ ہلیں ذکرِ مصطفیٰؐ کے لیے
یزیدی فعل زبانوں پہ ''یاعلی'' توبہ
یہ اور تیر چلے آل مرتضیٰ کے لئے

''اس بچے کا انتظار ہے جو یہ پکار اٹھے کہ بادشاہ ننگا ہے''

☆☆☆

تہذیب بابل کی مستقل اور یروشلم کی عارضی تباہی کے اسباب!

تحریر و تحقیق: رانا محمد حسن خاں

جب بھی کوئی انسان، قوم، قبیلہ، شہر، ملک یا تہذیب ترقی اور خوشحالی کی منازل جانفشانی سے طے کرنے کے بعد فخر و تکبر میں مبتلا ہو کر عیاشی، ناانصافی، قتل و غارت گری کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو زمانہ قدیم سے ان کے وجود نامسعود حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاتے ہیں۔ ان کی شان و شوکت تاریخ کا ایک گم شدہ باب بن جاتی ہے۔ تاریخ کے اوراق میں کوئی بھی تہذیب ایسی نہیں ہے جو کھنڈروں میں تبدیل نہ ہوئی ہو۔ ہر دور میں انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور سبھی اقوام کے کرتا دھرتاؤں کو وہ راستہ بتاتے رہے جن پر چل کر وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے تھے۔ مگر ہر نبی کی شدید مخالفت کی گئی۔ جس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا رہا کہ ترقی یافتہ تہذیبیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتیں اور نئی تہذیبیں جنم لیتیں، مٹ جانے کے لیے۔ جب کوئی تہذیب ترقی و خوشحالی کے زعم میں مالک کائنات کو بھلا دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے سے پہلے نبی لازماً بھیجتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ** ۔ (سورۃ القصص۔ آیت ۶۰) ترجمہ: ''اور تیرا ربّ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا یہاں تک کہ ان (بستیوں) کی ماں میں رسول مبعوث کر چکا ہوتا ہے جو اُن پر ہماری آیات پڑھتا ہے۔ اور ہم اس کے سوا بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے کہ ان کے بسنے والے ظالم ہو چکے ہوں۔''

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى**۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۵)

ترجمہ: ''اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے ربّ! کیوں نہ تُو نے ہماری طرف رسول بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے پیشتر اس کے کہ ہم ذلیل اور رُسوا ہو جاتے۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو اُن سے پہلے تھے (یعنی) نوح کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی اور قومِ ابراہیم کی اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی جو تہ و بالا ہو گئیں۔ ان کے پاس بھی ان کے رسول کھلے کھلے نشانات لے کر آئے۔ پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔'' (سورۃ التوبہ آیت ۷۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ** ۔ (سورۃ ہود۔ آیت ۱۰۳)

ترجمہ: ''اور تیرے ربّ کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اس حال میں پکڑتا ہے کہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ بڑی اذیت ناک (اور) بڑی سخت ہے۔''

اس تمہید کے بعد قدیم ترین سمیرین تہذیب اور دیگر تہذیبوں کا ذکر چھوڑتے ہوئے بابل کا ذکر کرتے ہیں۔

بابل دریائے فرات کے دونوں طرف کا سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ یہی علاقہ تھا جس پر نمرود نے حکومت کی تھی، اسی سرزمین پر حضرت نوح علیہ السلام نے الٰہی منشاء کے مطابق کشتی بنائی بعد ازاں سارا علاقہ ڈوب گیا، کہا جاتا ہے کہ اسی سرزمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں پھینکا گیا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گل و گلزار ہو گئی تھی، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بیسیوں انبیاء کرام کے قدم اس دھرتی نے چومے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ باغ عدن بھی یہیں تھا جہاں حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا نے ممنوعہ پھل کھایا تھا، اس کی مٹی میں سکندر اعظم، سینچرب، سلیوکس ایسے جنگجو اور متکبر ظالم حکمران بخت نصر کے جسم ملے ہوئے ہیں، بابل ہی کی ملکہ سمی رامس نے فارس، حبشہ اور ہندوستان پر چڑھائی کی تھی، اس وقت بولی جانے والی تمام زبانوں کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا، (قدیم ترین بابل کی زبان عربی تھی) یہ بھی اسی سرزمین کا خاصہ ہے کہ اس کی پیاس انسانی لہو سے بجھتی ہے اسی کی مٹی نے سومیریوں، مصریوں، اسیریاؤں، اشوریاؤں، سامیوں، خالدیوں، میڈیا والوں، رومیوں، تاتاریوں، یونانیوں اور ایرانیوں اور نجانے کتنی قوموں کا لہو پیا ہے۔ آج تک اس سرزمین کی

خونی پیاس بجھنے کا نام نہیں لے رہی۔سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بیسیوں انبیاء کرام کے قدم اس دھرتی نے چومے ہیں۔

سام کا پوتا نمرود جسے بیلوس کہا جاتا ہے کا تعلق منگول یعنی مغل قوم سے تھا اس نے طوفان نوح کے بعد بابل شہر کی بنیاد رکھی تھی۔یہ بھی لکھا ہے کہ اس نمرود کا اولین دارالحکومت سوزانیہ یا ایلام تھا جو کہ کوہ قاف کے قریب تھا، یہاں سے جا کر تمام علاقہ فتح کر کے دریائے فرات کے کنارے اس نے شہر بابل کی بنیاد رکھی تھی۔اسی نمرود کی حکومت روم پر تھی اور وہ خالدی کہلاتے تھے۔یہ بھی کتبوں پر لکھا ہوا ملا ہے کہ اس نمرود کی ملاقات حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی تھی۔توریت میں لکھا ہے کہ ''طوفان نوح کے بعد لوگوں نے اس خوف سے کہیں پھر ایسا ہی طوفان نہ آجائے آپس میں صلاح کر کے کہا آؤ ہم ایک ایسا شہر اور منار تعمیر کریں جس کی چوٹی آسمان سے جا ملے۔'' تاریخ قدیم میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''بیلوس یعنی نمرود کی سلطنت ایشیائی کوچک سے سندھ اور کاٹھیواڑ تک پھیلی ہوئے تھی۔قوم بلوچ کا نام بھی نمرود کے نام پر بیلوس قوم تھا۔ایرانیوں نے بعدازاں اس علاقہ کا نام بلوچستان رکھ دیا۔''

یونانیوں،عربوں اور پھر اہل مغرب نے جو بھی سائنسی،طبی،حسابی ترقی میں نام کمایا ہے اس کی جڑیں بابل میں تھیں۔اہل بابل نے سب سے پہلے صفر کو ہندسوں میں استعمال کیا یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ صفر کے موجد یونانی نہیں بلکہ بابلی تھی،جیومیٹری کی وہ شکل جسے فیثا غورث تھیورم کہا جاتا ہے اسے بابلیوں نے جیومیٹری سے دلچسپی نہ ہونے کے باوجود ڈیڑھ ہزار برس قبل سمجھ لیا تھا، بابل میں الجبرا پڑھایا جاتا تھا ایک لوح ملی ہے جس پر الجبرا کا مسئلہ لکھا ہوا ہے،حساب کتاب کرنے کے طریقے بھی اہل بابل جانتے تھے مگر ان نے الجبرا کو فروغ دیا، بابل میں قابل ترین معمار و سنگتراش تھے، بابل میں بہترین نہری نظام تھا، پہلا دنیا کا نقشہ بابلیوں نے بنا کر جغرافیہ سے اپنی دلچسپی ثابت کی، بابل کے کھنڈروں سے چھٹی صدی ق م کی دنیا کا ایک نقشہ ملا ہے،ایک لوح پر یہ تک لکھا ملا ہے کہ کرہ شمالی میں دس مہینے سورج کا گزر نہیں ہوتا،حمورابی دور میں میں قمری کیلنڈر بنایا گیا تھا جس میں مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا تھا اس دور میں بارہ مہینوں کے نام بھی رکھے گئے تھے مگر بخت نصر کے زمانے میں شمسی کیلنڈر بن گیا تھا،طب اور جراحی جانتے تھے اب تک ۵۸۸۰ طبی نسخے دریافت ہو چکے ہیں، بابل کے سورج اور چاند گرہن کی حقیقت جانتے تھے،صحیح پیشگوئی کرتے تھے بخت نصر کے دور میں یہ تک پروہب حساب کتاب کر کے یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کن کن مقامات پر گرہن ہوگا مگر عوام سے مال بٹورنے کے لیے اسے دیوتاؤں کی ناراضگی اس کا سبب قرار دے دیتے تھے،، یہ بھی جانتے تھے کہ اجرام فلکی کا زمین سے فاصلہ ایک جیسا نہیں ہے، ان کے نزدیک اجرام فلکی آٹھ تھے اور ان میں چاند زمین سے قریب ہے،انہوں نے راس منڈل بھی بنائی تھی جس میں تیس تیس زاویے کے بارہ برج تھے اور ان بارہ برجوں کے نام اب تک مستعمل ہیں، سیاروں کے نام پر بخت نصر نے کثیر منزلہ عمارت بھی بنائی تھی۔بابلی غضب کے ستارہ شناس تھے،زائچے بنانے میں ماہر تھے، یہ جو آج کل اخبارات میں لکھا ہوتا ہے آج یا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ یہ بابلی تہذیب کی دین ہے۔(ہٹلر ہر کام ستاروں کی روشنی میں تیار کیے گئے زائچے کے مطابق کرتا تھا،اب بھی ہندوستان، پاکستان کے اور دیگر عالمی سیاسی وغیر سیاسی لیڈر اسی علم سے استفادہ کرتے ہیں) بابلی یہ بھی جانتے تھے کہ ہماری کہکشاں تیس ہزار برس بعد اپنا زاویہ بدلتی ہے جس سے زمین کے ماحول پر بھی اثر پڑتا ہے۔شہنشاہ حمورابی نے زبردست قوانین بنائے تھے (ان قوانین کو پڑھ کر لگتا ہے کہ کسی نبی نے حمورابی کی راہنمائی کی تھی) کم وبیش وہی بخت نصر کے دور میں بھی تھے، جب بابل تباہ ہوا تب بدکرداری اور لاقانونیت کا راج تھا۔

بابلی لوگوں کا سب سے بڑا بت بعل تھا جی ہاں وہی بعل جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الصفات کی آیت ۱۲۶ میں فرماتا ہے:۔

اَتَدعُونَ بَعلًا وَّتَذَرُونَ اَحسَنَ الخَالِقِینَ ۔

کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور پیدا کرنے والوں میں سے سب سے بہتر کو چھوڑ دیتے ہو۔

اہل بابل خدا کو چھوڑ کر، بھول کر پوجتے تھے اس بت کا نام بعل تھا مگر اس کا اصل نام میرودخ ہے۔اسے سورج کا دیوتا بھی کہا جاتا تھا۔سورج کا اوتار یا عکس سمجھ کر اس کی اہل بابل پوجا کرتے تھے۔بعل کا عام معنی خداوند ہے۔اسے نمرود کا بت بھی کہا جاتا ہے۔نمرود نے اسے چاندی کا بنوایا تھا بخت نصر نے اسے خالص سونے کا بنوا دیا تھا، بعل بت چودہ ہاتھ یعنی تقریباً ۲۸ فٹ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے۔اس کے چاروں جانب چھوٹے بت تھے۔دو سونے کے اور بت تھے جو بعل کی بیوی بلتیس اور ایشتر کے تھے۔یہ آٹھ منزلہ بتخانہ ایک میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے ایک فرلانگ کی بلندی نصب کیا گیا تھا۔اس بت خانہ کا محل کا فاصلہ نو میل تھا اور اس بت خانہ اور محل کے بیچ نہایت دلفریب معلق باغ تھے جن کی دیکھ ریکھ کے لیے

چار ہزار مالی تھے۔ بخت نصر نے اپنی بیوی امی طیس بنت شاہ میڈیا کے لیے یہ معلق باغات سات درجوں میں بنوائے تھے۔ان باغات میں بارہ دریاں ،فوارے،حمام ،پھل دار اور خوشبودار پودے لگائے گئے تھے اور ایک ناچ گھر بھی بنایا گیا تھا۔ایک مورخ کے مطابق ایک ہزار من عرق گلاب بعل اور مندر دھونے میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔اس مندر کے کمروں میں عنبر،مشک اور عود کی پانچ سو اگیٹھیاں جلائی جاتی تھیں۔اس بت پر اس قدر چڑھاوے چڑھتے تھے کہ حکومت کی سہ ماہی آمدن سے بھی زائد ہوتے تھے۔

بخت نصر کا محل اس شاندار تھا کہ بخت نصر نے اس محل کا نام ''نسل انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ رکھا تھا''۔اس کی بنیادوں میں لگی ہر اینٹ پر شاہ کا نام اور لقب کندہ ہے۔اس محل میں کئی سو کمرے،حجرے ہیں۔دیواروں پر خوش رنگ تصویریں بنی ہیں۔سنگ مرر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بابل میں ایک برج بھی تھا جسے برج بابل،برج نمرود اور ''عبادت گاہ ہفت سیارگان'' بھی کہا جاتا تھا۔یہ برج سات منزلہ تھا یہ منزلیں سات سیاروں سے منسوب تھیں۔پہلی سیاہ منزل زحل کے لیے تھی،دوسری نارنجی منزل مشتری،تیسری سرخ مریخ،چوتھی سنہری منزل سورج، پانچویں زرد زہرہ،چھٹی نیلی منزل عطارد اور ساتویں منزل چاندی کی علامت تھی۔ بخت نصر نے اس برج کا نام زمین کی ۷ روشنیوں یعنی ''سیاروں کا مندر'' رکھا تھا۔

بخت نصر کے دور میں بابل نہایت خوشحال،سرسبز و شاداب تھا،طاقتور فوج تھی، ہر طرح کے ہنر مند موجود تھے۔پھر بابل کیوں کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا؟ پہلی بات تو یہی ہے کہ الٰہی نوشتے پورے ہو کر رہتے ہیں۔حضرت یسیعاہ بن عاموس (۷۴۰ ق م تا ۶۸۱ ق م) جو بنی اسرائیل کے عظیم الشان نبی گزرے ہیں انہوں نے بابل کی بربادی سے تقریباً ایک سو برس قبل درج ذیل پیشگوئی کی تھی۔

''دیکھو خداوند کا وہ دن آتا ہے جو غضب میں اور قہر شدید میں سخت درشت ہے تا کہ ملک کو ویران کرے اور گنہگاروں کو اس پر سے نیست و نابود کردے۔کیونکہ آسمان کے ستارے اور کواکب بے نور ہو جائیں گے اور سورج طلوع ہوتے ہوتے تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔اور میں جہان کو اس کی برائی کے سبب سے اور شریروں کو ان کی بدکرداری کے سبب سزا دوں گا اور میں مغروروں کو نیست اور ہیبت ناک لوگوں کا گھمنڈ پست کردوں گا۔ میں آدمی کو خالص سونے سے بلکہ انسان اوفیر کے کندن سے بھی کمیاب بناؤں گا۔اس لیے میں آسمانوں کو لرزاؤں گا اور ربّ الافواج کے غضب سے اور اس کے قہر شدید کے زور سے زمین اپنی جگہ سے جھٹکی جائے گی۔اور یوں ہوگا کہ وہ کھدیڑے ہوئے آہو اور لاوارث بھیڑوں کی مانند ہونگے۔ان میں سے ہر ایک اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا اور ہر ایک اپنے وطن کو بھاگے گا۔ ہر ایک جو مل جائے آر پار چھیدا جائیگا اور ہر ایک جو پکڑا جائے تلوار سے قتل کیا جائے گا۔اور ان کے بال بچے ان کی آنکھوں کے سامنے پارہ پارہ ہوں گے۔ انکے گھر لوٹے جائیں گے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی ہوگی۔دیکھو میں بادلوں کو ان کے خلاف برانگیختہ کروں گا ، ان کی کمانیں جوانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیں گی اور وہ شیر خواروں پر ترس نہ کھائیں گے اور چھوٹے بچوں پر رحم کی نظر نہ کریں گے۔اور بابل جو مملکتوں کی حشمت اور کسدیوں کی بزرگی کی رونق ہے سدوم اور عمورہ کی مانند ہو جائے گا جن کو خدا نے الٹ دیا۔اور وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور پشت در پشت اس میں کوئی نہ بسے گا۔ وہاں عرب ہرگز خیمے نہ لگائیں گے اور وہاں گڈریے گلوں کو نہ بٹھائیں گے۔ پر بن کے جنگلی درندے وہاں بیٹھیں گے اور ان کے گھروں میں اُلو بھرے ہوں گے۔ وہاں شتر مرغ بسیں گے اور چھگ مانس وہاں ناچیں گے۔اور گیدڑ ان کے عالیشان مکانوں میں اور بھیڑیے ان کے رنگ محلوں میں چلائیں گے۔اس کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے اور اس کے دنوں کو اب طول نہیں ہوگا۔'' (یسیعاہ باب ۱۳ آیات ۹ تا ۲۲)

حضرت یسیعاہ علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں سے جو کہ پوری ہوئی تھیں ثابت ہوتا ہے کہ بابل کی سلطنت نہایت ظالموں کے ہاتھ میں آنے کے بعد برباد ہوئی۔ اور یہ وجہ بھی صاف دکھائی دیتی ہے کہ بابل عیاشیوں کا مرکز بن چکا تھا،شراب نوشی زنا کاری میں ساری قوم مبتلا ہو چکی تھی اور ہر قسم کی حرام کاریوں کو عبادت کا درجہ حاصل ہو چکا تھا،یہاں تک کہ مندروں کے پروہتوں میں بھی اخلاق نام کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہی تھی۔کہا جاتا ہے کہ بعض عورتیں تمام عمر کنواری رہ کر اپنے آپ کو بعل کی نذر کر دیتی تھیں ان کو مندر کی پروہت بنا دیا جاتا،عام لوگوں کا خیال تھا یا باور کروا دیا گیا تھا کہ ان مقدس عورتوں سے خدا رات کے وقت ہمبستری کرتا ہے اس لیے مندر میں ایک چارپائی پڑی رہتی تھی۔جس پر وہتن کو خدا سے ہم بستری کی خواہش ہوتی وہ اس چارپائی پر سو جاتی تھی اور مندر کے پروہت ان سے منہ کالا کرتے تھے۔اور پھر مندر میں ہونے والی بدکاریوں نے اہل بابل کو بدکاری کی طرف دھکیل دیا،بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ بابلی عورتیں خواہ ان کا تعلق شاہی

خاندان سے بھی ہوتا ان کے لیے لازم ہو گیا کہ اپنی عمر میں کم از کم ایک دفعہ ہر ایک عورت بعل کی بیوی بلستیس کے مندر میں جائے اور وہاں جو مرد اسے ملے اس سے ہم بستر ہو۔

کتاب دانیال پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر اور اس کے بیٹے میں آنے والے انبیاء کرام نے مثبت تبدیلی پیدا کر دی تھی اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ بخت نصر کے ہاتھوں یہودہ سلطنت کی تباہی کے بعد حضرت حزقیل بھی بنی اسرائیل کے ساتھ بابل چلے گئے۔ اور اسیری کے پانچویں سال یعنی (581 ق م میں) انہیں نبوت ملی۔ ان کے ہم عصر انبیاء میں میسا ایل، عبدیاہ اور دانیال نبی تھے۔ حضرت دانیال نبی نے رؤیا دیکھی جس کی یہ تعبیر کی کہ میدو فارس کے بادشاہ خورس کے ذریعہ بنی اسرائیل کو آزادی ملے گی۔ حضرت دانیال علیہ السلام جو ایران کے بادشاہ خورس کے آنے کے ایک برس بعد فوت ہوئے تھے، کے الفاظ میں جو کہ بائبل کے باب دانی ایل میں درج ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ بخت نصر، حضرت دانیال علیہ السلام، میسا ایل، عبدیاہ اور حضرت حزقیل کا قدردان تھا۔ بخت نصر دوم نے بھی ان کی قدردانی کی تھی۔ دانیال باب دو میں لکھا ہے کہ جب دانیال نے بادشاہ کی دیکھی خواب کی تعبیر بتا دی تب بادشاہ نبوکدنضر نے دانیال کو سجدہ کیا۔ بادشاہ نے دانیال کی ستائش کی۔ اور حکم دیا کہ اس کو نذرانے اور بخور پیش کئے جائیں۔ پھر بادشاہ نے دانیال سے کہا، ''فی الحقیقت تیرا خدا خداؤں کا خداوند اور بادشاہوں کا خداوند اور رازوں کا کھولنے والا ہے، کیوں کہ تو اس راز کو کھول سکا۔'' بادشاہ نے دانیال کو اپنی حکومت میں ایک بہت ہی اہم عہدہ عطا کیا اور بادشاہ نے بہت سے انمول تحفے بھی اس کو دیئے۔ نبوکدنضر نے دانیال کو بابل کے پورے صوبہ کا حکمراں مقرر کر دیا۔ اور اس نے دانیال کو بابل کے سبھی دانشمندوں میں سے سب سے زیادہ دانشمند بھی اعلان کیا۔ دانیال نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ سدرک، میسک اور عبد نجو کو بابل ملک کا اہم حاکم بنا دیں۔ اس لئے بادشاہ نے ویسا ہی کیا جیسا دانیال نے چاہا تھا۔ دانیال خود ان اہم لوگوں میں ہو گیا تھا جو بادشاہ کے قریب رہا کرتے تھے۔ (صحیفہ دانیال باب 2 سے ماخوذ) کتاب دانیال میں بخت نصر کا یہ اقرار بھی موجود ہے کہ ''اب میں نبوکدنضر آسمان کے بادشاہ کی ستائش اور تکریم و تعظیم کرتا ہوں کیونکہ وہ اپنے کاموں میں راست اور اپنی سب راہوں میں عادل ہے اور جو مغروری میں چلتے ہیں اُن کو ذلیل کر سکتا ہے۔'' (دانیال باب ۴ آیت ۳۷)

بابل کی مکمل تباہی کا حال بیان کرنے سے پہلے آیئے دیکھتے ہیں کہ یہودہ سلطنت کی تباہی کیوں اور کیسے ہوئی۔ پہلی بات یہی ہے کہ یہودی نافرمان ہو کر انبیاء کرام کو عزت نہ

اس سیاہ قانون کی نامنظوری کا اعلان کریں'' یہاں ہند میں سیاہ قانون ختم کرنے کی دیتے تھا جس وقت تباہی آ ئی اس وقت بھی انبیاء موجود تھے، جادو، ٹونہ کرتے، بتوں کی پوجا کرتے، کتاب حزیقل کے مطابق نا صرف مرد نبوت کے جھوٹے دعوے کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی یہ گناہ کرتی تھیں، شریعت موسوی کو بھول چکے تھے، فسق و فجور ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکا تھا۔ کتاب حزقی ایل میں لکھا ہے کہ ''پس خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم اپنے آس پاس کی اقوام سے بڑھ کر فتنہ انگیز ہوا اور میرے آئین کی پیروی نہیں کی اور میرے احکام پر عمل نہیں کیا اور اپنے آس پاس کی اقوام کے آئین و احکام پر بھی کاربند نہیں ہوئے۔'' (حزقی ایل باب ۵) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''پس میں غیر قوموں میں سے بدترین کو لاؤں گا اور وہ ان کے گھروں کے مالک ہوں گے اور میں زبردستوں کا گھمنڈ مٹاؤں گا اور ان کے مقدس مقام ناپاک کئے جائیں گے۔ ہلاکت آتی ہے اور وہ سلامتی کو ڈھونڈیں گے پر نہ پائیں گے۔ اور میں تم کو اس سے باہر نکالوں گا اور تم کو پردیسیوں کے حوالہ کر دوں گا اور تم کو سزا دوں گا۔ تم تلوار سے قتل ہو گے۔'' (حزقی ایل باب ۷)

یروشلم کی تباہی کی وجوہات مزید نقشہ بائبل نے یوں بیان کیا ہے۔

''صدقیاہ اکیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے گیارہ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔ اور اُس نے وہی کیا جو خُداوند اُس کے خُدا کی نظر میں بُرا تھا اور اُس نے یرمیاہ نبی کے حضور جس نے خُداوند کے منہ کی باتیں اُس سے کہیں عاجزی نہ کی۔ اور اُس نے نبوکدنضر بادشاہ سے بھی جس نے اُسے خُدا کی قسم کھلائی تھی بغاوت کی بلکہ وہ گردن کش ہو گیا اور اُس نے اپنا دل ایسا سخت کر لیا کہ خُداوند اسرائیل کہ خُدا کی طرف رجوع نہ لایا۔ اُس کے سوا کاہنوں کے سب سرداروں اور لوگوں نے اور قوموں کے سب نفرتی کاموں کے مُطابق بڑی بدکاریاں کیں اور اُنہوں نے خُداوند کے گھر کو جسے اُس نے یروشلیم میں مُقدس ٹھہرایا تھا ناپاک کیا۔ اور خُداوند اُن کے باپ دادا کے خُدا نے اپنے پیغمبروں کو اُن کے پاس بروقت بھیج بھیج کر پیغام بھیجا کیونکہ اُسے اپنے لوگوں اور اپنے مسکن پر ترس آتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے خُدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے نبیوں کی ہنسی اُڑائی یہاں تک کہ خُداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ وہ کسدیوں کے بادشاہ کو اُن پر چڑھا لایا جس نے اُن کے مُقدس کے گھر میں اُن کے جوانوں کو تلوار سے قتل کیا اور اُس نے کیا جوان کیا کنواری کیا بُڈھا کیا عُمر رسیدہ کسی پر ترس نہ کھایا۔ اُس نے سب کو اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

بقایا: حصہ: صفحہ ۲۶

قناعت اور شکر گزاری!

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

عصر حاضر میں گزشتہ زمانوں سے بہت بڑھ کر مادیت پر پرزے نکال رہی ہے۔ راتوں رات امیر بننے یا امیر ترین بننے کی خواہش نے انسانوں کے ہاتھوں سے قناعت جیسا چمکتا دمکتا ہیرا چھین کر ان کے ہاتھوں میں حرص و حسد جیسا ناقص کشکول تھما دیا ہوا ہے۔ ہمیں تمام مذاہب کی تعلیمات میں قناعت کا مضمون ملتا ہے مگر عمل کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ زمانے قصہ پارینہ بن چکے جب خاندان مل جل کر کام کرتے تھے اور مل بیٹھ کر کھاتے پیتے تھے، حرص، لالچ، حسد کی بجائے قناعت و شکر گزاری نے انہیں ہر قسم کی ذلتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ کسی کی نوکری کرنے کو توہین سمجھتے تھے۔ جب یہ خاندان اور قبیلے ٹوٹنے لگے تو قناعت جیسا وصف بھی ان سے دور سے دور تر ہوتا چلا گیا۔ جب شکر گزاری اور قناعت کی بجائے حرص، لالچ، حسد پیدا ہو گیا تو ضرورت سے زیادہ کی تمنا نے انہیں مجبور کر دیا کہ انسانی حقوق کا احترام نہ کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے وسائل پر زبردستی قبضہ کریں۔ فاتح ہمیشہ وہی ہوتے جو علم و ہنر میں بہتر ہوتے۔ ابتدا میں آگ سے نا آشنا انسان ننگا غاروں میں رہتا تھا، جانوروں کا اتنا شکار کرتا تھا جس سے پورا خاندان پیٹ بھر سکے۔ جب ہل ایجاد ہوا تو پہلا وار خواتین پر ہوا جو خاندان کی سربراہ ہوتی تھیں۔ ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہی وہ دور تھا جب زن، زر، زمین نے انسانوں کو اپنا غلام بنانا شروع کیا۔ خاندان بکھر کر قبیلے، گاؤں، شہر اور ملک بن گئے۔ اس دور میں بھی جدید ٹیکنالوجی نے سب سے پہلا وار خواتین پر ہی کیا ہے آزادی کے نام پر ان سے خاندانوں کی سربراہی چھین کر بدترین غلامی کا کانٹوں بھرا تاج ان کے سروں پر رکھ دیا ہے۔ خواتین کو مردوں کی جنسی تسکین اور بچے پیدا کرنے سے تو کیا آزادی ملتی الٹا ان پر نوکریوں اور دوسری بیہودگیوں کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک نے علم و ہنر کی بنیاد پر غیر ترقی یافتہ ممالک کو اپنا غلام بنا لیا ہوا ہے۔ جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اسی طرح غیر ترقی یافتہ ممالک علم و ہنر کے بغیر ناممکن ہے کہ جدید غلامی سے نجات حاصل کر سکیں۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کے لیے ضروری ہے کہ قناعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر مستقل مزاجی سے اپنے نونہالوں کو علم و ہنر کے زیورات سے آراستہ کریں۔

سچ یہی ہے کہ قناعت اور شکر گزاری ہر قسم کی غلامی سے نجات کا باعث ہے۔ ترقی یافتہ اقوام میں تو یوں لگتا ہے کہ قناعت سے نفرت پائی جاتی ہے۔ ان اقوام کے حرص کے بڑے بڑے پیالے بھرنے کا نام نہیں لے رہے، امریکا، برطانیہ اور چند دوسرے امیر ممالک نے گزشتہ چالیس پچاس برسوں میں جس طرح غریب ممالک کے وسائل کو لوٹا ہے اس کی نظیر ماضی میں کہیں شاید ہی ملے۔ مغرب جدید ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے مشرق میں روس اور چین کو دبانے کے لیے ہر حربہ آزما رہا ہے اور چین اور روس بھی اسی طرح کے عزائم رکھتے ہیں۔ سرمادارانہ سوچ ترقی یافتہ اقوام تک ہی محدود نہیں بلکہ ترقی پذیر غریب ممالک میں بھی سرمایہ دارانہ غلامی کا ناگ پھن پھلائے بیٹھا ہے۔

جہاں تک اسلامی دنیا کا تعلق ہے وہ قناعت ہی سے نہیں بلکہ سبھی اخلاقی وصفوں سے دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو، حرص، لالچ، حسد سے دور رکھنے اور قانع بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ (سورۃ آل عمران آیت)

ترجمہ: ’لوگوں کے لئے طبعاً پسند کی جانے والی چیزوں کی یعنی عورتوں کی اور اولاد کی اور ڈھیروں ڈھیر سونے چاندی کی اور امتیازی نشان کے ساتھ داغے ہوئے گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتیوں کی محبت خوبصورت کر کے دکھائی گئی ہے۔ یہ دنیوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ وہ ہے جس کے پاس بہت بہتر لوٹنے کی جگہ ہے۔‘‘

اصل بات یہی ہے کہ کسی بھی انسان کو حد سے زیادہ دنیا سے دل لگانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف دل کو موڑنا چاہیے۔ قناعت کا

مطلب بھی یہی ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے کم یا زیادہ اس پر راضی رہنا۔یقیناً دنیا اور اس میں خوبصورت دکھائی دینے والی ہر چیز فانی ہے۔ان سے حسب ضرورت اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں استفادہ کرنا منع نہیں ہے دنیا کا ہی ہو جانا گناہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔''متقی بنو،سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔قناعت اختیار کرو سب سے زیادہ شکر گزار بن جاؤ گے۔لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو حقیقی مومن بن جاؤ گے۔اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو حقیقی مسلمان بن جاؤ گے۔کم ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے''۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الورع والتقویٰ)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ۔ وَاِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ العنکبوت:۵۶)

''اور یہ دنیا کی زندگی غفلت اور کھیل تماشا کے سوا کچھ بھی نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی دراصل حقیقی زندگی ہے کاش کہ وہ جانتے''

اس دور میں سرمایہ داری نظام نے انسان کو اتنا مشغول کر دیا ہے کہ لگتا ہے وہ اپنے پیدا کرنے والے اور پیدا کیے جانے کے مقصد کو بھی بھول گیا ہے۔جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی قومیں قناعت سے کام لینا چھوڑ کر شکر گزاری کے جذبات سے عاری ہو جاتی ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے حرص،حسد اور لالچ میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو قحط،وبا اور جنگیں انہیں تباہ کر دیتی ہیں۔اس دور میں کہا جاتا ہے کہ قحط،وبا اور جنگوں پر قابو پا لیا گیا ہے مگر سچ یہی ہے کہ ایسا دعویٰ کرنا سوائے دِیوانے کی بڑ کے کچھ نہیں۔امیر ممالک کی نہ ختم ہونے والی نفسانی خواہشات کی وجہ سے سالانہ کروڑوں انسان بھوک،وباؤں اور جنگوں کا ایندھن بن رہے ہیں۔اگر امیر ممالک قانع نہ ہوئے تو صاف دکھائی دے رہا ہے کہ آدھی سے زیادہ دنیا کی آبادی امیر ممالک کے وسیع وعَریض حرص کے پیالے میں ڈوب کر ہلاک ہو سکتی ہے۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلمان بھی الٰہی منشاء کو نہیں سمجھ رہے،قناعت اور سادگی چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ان کی ہوا ہوس اور لَہو ولَعب کی طرف بہت زیادہ رغبت ہے۔

قناعت کی ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

''فلاح پا گیا جس نے اس حالت میں فرمانبرداری اختیار کی جبکہ اس کا رزق صرف اس قدر ہو کہ جس میں بمشکل گزارا ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت بخشی ہو'' (ترمذی کتاب الزھد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

''ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو (جو لوگ قناعت نہیں کرتے اور حرص میں رہتے ہیں ان کے بارے میں یہ ہے)۔ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو تب بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس دوسری وادی بھی آ جائے۔اس کے منہ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے''۔ (سنن الترمذی ابواب الزھد باب ماجاء لوکان لابن آدم وادیان...)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''کسی بندے کے اندر خدا کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔اور نہ ہی کسی بندے کے دل میں ایمان اور حرص جمع ہو سکتے ہیں''۔

(سنن نسائی کتاب الجہاد باب فضل من عمل فی سبیل اللہ علی قدمہ)

اس دنیا میں انسان کا رہنا عارضی ہے اسی لیے انسانی بدن بھی عارضی بنایا گیا ہے،مرنے کے بعد اسے مٹی میں ہی ملنا ہوتا ہے بدن سے اصل جوہر جسے روح کہا جاتا ہے اگلی دنیا جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے میں چلی جاتی ہے جہاں اسے اس کے دنیاوی اعمال کے مطابق نورانی یا ظلماتی نیا بدن ملتا ہے۔بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ انسان اس عارضی دنیا سے دل لگائے۔سچی بات یہی ہے کہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے،اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ کوئی گدّا بنوا کر حاضر کریں،ارشاد ہوا''مجھے دنیا سے کیا غرض،مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی سائے میں بیٹھ جاتا ہے۔پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں ناں کہ فقط دنیا دار۔

نظام کے قیدی!!

افسانہ نگار: تنویر صادق

اس نے گاڑی روکی۔تیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے مگر سڑک وہی پتلی سی اور کچی، جیسی اسے بتائی گئی تھی۔اس سڑک پر تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر پرانی طرز کا ٹیوب ویل اور اس سے ملحق کسی زمیندار کا ڈیرہ اسی حالت میں تھا جیسے اسے بتایا گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کمال ہے اس علاقے میں تیس سال سے کچھ نہیں بدلا تھا۔اس نے اردگرد کا جائزہ لیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔آدھا کلومیٹر مزید چلنے کے بعد اسے کھیتوں کے پیچھے وہ گاؤں نظر آ گیا جہاں اسے پہنچنا تھا۔اس نے آگے پیچھے نظر دوڑائی۔ایک جگہ سڑک پر اسے ایک راستہ نظر آ گیا جو گاؤں کو جاتا تھا۔وہ گاڑی سے اترا اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔اس کے دونوں محافظ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔گاؤں پہنچے تو لوگوں نے بڑے عجیب انداز میں دیکھا کہ اجلے اجلے کپڑے پہنے تین آدمی چلے آ رہے ہیں۔اس سے پہلے گاؤں میں چوہدری کے علاوہ کبھی کسی نے اتنے اجلے کپڑے پہنے ہی نہ تھے۔دو آدمی بھاگتے ہوئے آئے کہ جناب کدھر جا رہے ہیں، چوہدری صاحب کا ڈیرہ اس طرف ہے۔یہ دونوں چوہدری کے پالتو بدمعاش تھے۔اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتے اس کے دونوں محافظوں نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ تیزی سے وہاں سے بھاگ نکلے۔

گاؤں کی چھوٹی سی دکان پر وہ رکا اور پوچھا، ''فتح محمد کا گھر کہاں ہے''۔ دکاندار نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا، ''کونسا فتح محمد، یہاں تین چار لوگوں کے نام فتح محمد ہیں، آپ کو کس کی تلاش ہے''۔ کچھ سوچ کر اس نے کہا، ''کافی عمر کے ہونگے، بوڑھے آدمی۔ان کی بیگم کا نام مہتاب بی بی ہے''۔ دکاندار نے سر ہلایا، ''بابے پھتو سے آپ کو ملنا ہے''۔اس نے ایک بچے کو ساتھ بھیج دیا کہ جاؤ بابے پھتو کے گھر چھوڑ آؤ۔اس نے محافظوں کو واپس گاڑی میں بھیج دیا اور وہ دس پندرہ بچوں کے ہجوم میں ایک شکستہ سے کچے مکان تک پہنچ گیا۔اس نے بچوں کو بھی واپس بھیج دیا مگر وہ تھوڑی دور جا کر دیکھنے لگے کہ وہ کیا کرتا ہے۔اس کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی ایک جوان لڑکی کہیں سے بھاگی ہوئی آئی اور اس سے پوچھا، ''کس سے ملنا ہے''۔اس نے بڑی کوشش کی تو منہ سے بس ''بابے'' کا لفظ ادا ہوا۔لڑکی بلاتی ہوں کہہ کر اندر بھاگ گئی۔اب اندر سے ایک آدمی نکلا اور کہنے لگا۔ بابو جی بابا آ رہا ہے۔بوڑھا ہے، اٹھنے میں بھی دیر لگاتا اور چلتا بھی بہت آہستہ ہے۔اس نے غور سے دیکھا، وہ شخص اس سے کوئی تین چار سال بڑا ہو گا مگر شکل ہو بہو اس کی تصویر تھی۔اگر دونوں اپنے کپڑے بدل لیں تو کوئی پہچان نہیں سکتا کہ کون کیا ہے۔اس آدمی کو بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا اس لئے دونوں ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔دروازہ کھلا اور بابے نے باہر آتے ہی پوچھا، ''جی بابو جی، کیا بات ہے''۔پھر اس نے پریشان ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور پھر حیرت زدہ نظروں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کو دیکھنے لگا۔پھر وہ کھو سا گیا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ سکتے میں ہے۔تھوڑے وقفے سے اس نے لڑکھڑاتی زبان میں پوچھا، ''بیٹا، کون ہو تم''۔ایک دم وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔بڑی ہمت کر کے اس نے پوچھا، ''بابا مجھے پہچانا نہیں''۔

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ماں باپ نے بڑے لاڈ پیار سے اس کی پرورش کی تھی۔اسے پڑھایا تھا اور اپنی تمام جائداد اپنی زندگی ہی میں اس کے نام کر دی تھی۔اس نے مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس جائن کی تھی اور آج کل وہ اسی علاقے میں ایس پی کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔پچھلے سال اس کی ماں مر گئی تو وہ اپنے باپ کو آبائی گھر میں اکیلا چھوڑنے کی بجائے اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔ایک دن اس کے باپ نے اسے پاس بٹھایا اور کہا، ''بیٹا تمہاری ماں چلی گئی۔ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت عادی تھے۔مجھے نہیں لگتا کہ اس کے بغیر میں زیادہ عرصہ گزار پاؤں گا۔یہ ہمارے آبائی گھر میں میرے کمرے میں موجود چھوٹی الماری کی چابی ہے۔الماری تم میری موت کے بعد کھولو گے اس سے پہلے ہرگز نہیں۔اس الماری میں میرے کچھ ضروری کاغذات ہیں، وہ دیکھ لینا تمہارے کام آئیں گے۔ایک ڈائری بھی ہے۔اس میں میری طرف سے تمہارے لئے کچھ ہدایات ہیں، انہیں پڑھنے کے بعد ان پر عمل کرنا''۔پچھلے ہفتے اس کا باپ بھی مر گیا۔تجہیز و تکفین کے لئے میت آبائی گھر لے جائی گئی۔دو تین دن ساری رسومات کی ادائیگی میں خرچ ہو گئے۔فارغ ہوتے ہی اس نے اس الماری کو کھولا۔کچھ شیئر سرٹیفکیٹ۔کچھ انعامی بانڈ اور کچھ زمینوں کے کاغذات جو پہلے ہی

اس کے نام کردی گئی تھیں۔

ان تمام چیزوں کے ساتھ وہ ڈائری بھی اسے مل گئی جس کو دیکھنے سے پہلے اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ ڈائری اس کی زندگی میں کیا ہلچل مچادے گی۔ یہ پچیس چھبیس سال پہلے کی ڈائری تھی۔ اس کے باپ نے لکھا تھا۔ ''میں سرکاری ڈیوٹی پر اس علاقے کا چکر لگا رہا تھا۔ چھوٹی سی سڑک پر جیپ رواں دواں تھی۔ ایک جگہ ایک چھوٹا سا دو ڈھائی سال کا بچہ ہر چیز سے بے نیاز سڑک کے بیچ میں کھڑا تھا۔ میں ہارن دیتا تو وہ مسکرانے لگتا۔ مجھے وہ بچہ بہت بھلا لگا۔ میں نے گاڑی بند کی اور اتر کر بچے کو پیار کرنے لگا۔ ایک مزدور دور سے بھاگتا ہوا آیا اور آتے ہی معافی مانگنے لگا کہ اس کا بچہ اس کی غفلت کے باعث سڑک پر آ گیا اور مجھے گاڑی روکنی پڑی۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں۔ تمہارا بچہ بہت پیارا ہے۔ اسے پڑھاؤ اور بڑا آدمی بناؤ۔ وہ ایک دم گھبرا گیا۔ صاحب میں نے بڑے بیٹے کو پڑھانا چاہا تھا۔ یہاں سے چار میل دور ایک سکول میں داخل بھی کروا دیا تھا۔ ہمارے چوہدری کو پتہ چلا تو اس نے مجھے بہت مارا کہ اس کی اجازت کے بغیر بچے کو سکول کیسے بھیجا۔ اس لئے میرے گائوں کے اور میرے بچے چوہدری کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتے۔ بیٹا اس وقت میری شادی کو کئی سال ہو چکے تھے مگر ہماری کوئی اولاد نہ تھی۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر میں نے اسے کہا کہ یہ بچہ مجھے دے دو۔ میں اسے پڑھا کر بڑا آدمی بناؤں گا۔

اس شخص نے دائیں، بائیں اور پیچھے دیکھا، کچھ سوچا اور کہنے لگا کہ چوہدری کو پتہ چلا کہ میں نے اپنا بیٹا کسی کو دے دیا ہے تو وہ میری کھال کھینچ لے گا۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا، آپ ذرہ چکر لگا کر آئیں۔ میں اسے کھیت میں لے جاؤں گا۔ جب تک آپ واپس آئیں یہ بھاگ کر پھر سڑک پر آ جائے گا۔ آپ اسے اٹھا کر فوراً لے جائیں۔ میں انجان بن جاؤں گا، کہوں گا بیٹا کھو گیا ہے۔ حوصلہ اور صبر بھی کر لوں گا۔ بس آپ ایک وعدہ کریں۔ آپ میرے بیٹے کو پڑھائیں گے اور جب یہ بڑا آدمی بن جائے تو اسے کہنا کہ بس ایک دفعہ مجھے مل جائے۔ اسے بتانا کہ تمہارا باپ فتح محمد اور ماں مہتاب بی بی اس گاؤں میں مرنے سے پہلے تمہیں اک نظر دیکھنے کو زندہ ہیں۔ یہ آ کر مجھے مل جائے گا تو میں اطمینان سے مر سکوں گا۔ میں نے گاڑی موڑی اور کچھ دور جانے کے بعد واپس آیا، بچہ سڑک پر کھیل رہا تھا۔ میں نے ارد گرد نظر ڈالی دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ میں نے بچے کو گاڑی میں بٹھایا۔ ارد گرد دیکھا، کوئی دیکھ نہیں رہا تھا۔ میں تیزی سے گاڑی لے کر اس بچے کے ساتھ اپنے گھر آ گیا۔ وہ بچہ کوئی اور نہیں تم ہو۔ ہم میاں بیوی کے انتہائی لاڈلے اور پیارے، ہمارے زندہ رہنے کا واحد بہانہ۔ یہ باتیں مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے لئے تکلیف دہ ہونگی، میں شاید اس کا ذکر بھی نہ کرتا کیونکہ یہ ذکر میرے لئے بھی بہت تکلیف دہ ہے مگر مجھے اس شخص سے کیا اپنا وعدہ وفا کرنا تھا۔ مجبوری تھی۔ امید ہے میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا۔

بابے پھتو نے پہلے بجھی بجھی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ یکا یک اس کی آنکھوں میں ایک چمک جاگ گئی۔ یوں لگا اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔ مگر اس کے اجلے کپڑے دیکھ کر اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے دوبارہ کہا، ''بابا مجھے پہچانو''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے بابے کی طرف اپنے پھیلے بازو بڑھائے۔ بابا چیخ مار کر اس سے لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا، اوئے دیکھو میرا بیٹا بڑا آدمی بن کر آیا ہے، سب دیکھو، میرا بیٹا اب بہت بڑا آدمی ہے۔ پھر زور زور سے بیوی کو آواز دی، مہتاب جلدی آ، روز بیٹے کو یاد کرتی تھی، آ گیا ہے وہ۔ ایک بوڑھی اندھی عورت لاٹھی ٹیکتی گھر سے تیزی سے ٹھوکر کھاتی اور سنبھلتی۔ باہر نکلی اور بولی کون آیا ہے، اس کی آواز میں عجیب ارتعاش تھا۔ بابا روتے ہوئے اسے کہنے لگا، ''بھلی مانس میں تجھے کہتا تھا نہ رو، تیرا بیٹا کسی دن ضرور آئے گا، مگر تو نے صبر نہیں کیا، رو رو کر اندھی ہو گئی ہے، اب بیٹا آیا ہے تو دیکھ، کیسے دیکھے گی۔ وہ ماں سے لپٹ گیا۔ وہ لڑکی جو باپ کو بلانے اندر گئی تھی اب کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھا، تم میرے کھوئے ویر ہو۔ ہاں میں وہی ہوں مگر اب واپس آ گیا ہوں۔ اس نے لڑکی کو جو اس کی بہن تھی، کھینچ کر اپنے ایک بازو میں سمیت لیا۔ اس کی ماں اس کے گلے لگی ہوئی تھی۔ بہن بازو سے لپٹی تھی، باپ اور بھائی دوسرا بازو پکڑے کھڑے تھے۔ اسی حالت میں روتے ہوئے وہ سب گھر میں داخل ہوئے۔

چھوٹا سا صحن، چار یا پانچ فٹ چوڑا برآمدہ اور پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں سارا خاندان رہ رہا تھا۔ چھت میں بڑے بڑے سوراخ جن سے دھوپ بھی بڑی بے تکلفی سے اندر آ رہی تھی۔ بارش کے موسم میں تو کمرے میں بیٹھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ ایک ٹوٹی چارپائی، زمین پر بچھی ایک چادر سی، چند برتن، یہ اس خاندان کا کل سرمایہ تھا۔ ان کی یہ بری حالت دیکھ کر وہ خود، جس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا ایک بار پھر رونے لگا۔ تھوڑی دیر جذباتی گفتگو کے بعد اس نے کہا

کہ آج میں آپ لوگوں کو لینے آیا ہوں۔سب اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ساتھ چلنے کا سن کر اس کا بھائی کانپنے لگا۔نہیں نہیں، ہم نہیں جا سکتے۔باہر چوہدری کے لوگ پھر رہے ہیں،انہیں ہمارے جانے کا پتہ چلا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ گھر بھی چوہدری کا دیا ہوا ہے وہ چھین لے گا تو ہم کہاں رہیں گے۔اس نے حوصلہ دیا کہ جب میں ساتھ ہوں تو یقین رکھو کوئی قریب بھی نہیں آئے گا۔چلنے کا سن کر اس کی بہن نے گھر کی چیزیں ساتھ لے جانے کے لئے اکھٹی کرنا شروع کر دیں۔اس نے منع کیا تو وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگی، بغیر بستر،سوئیں گے کیسے، برتن نہیں ہونگے تو کھائیں گے کیسے۔کپڑے نہیں ہونگے تو پہنیں گے کیا۔اس نے جواب دیا کہ سارے سامان کو بھول جاؤ۔میرے پاس ہر چیز ہے، جو نہیں ہوگی وہ بھی مل جائے گی۔

وہ سب چھوڑ چھاڑ کے اس ٹوٹے پھوٹے گھر سے روانہ ہوئے تو سہمے سہمے اس سے چمٹ کر چل رہے تھے۔انہیں ڈر تھا کہ حسب روایت چوہدری کے آدمی ڈنڈے اور بندوقیں لے کر آئیں گے اور انہیں اٹھا کر لے جائیں گے۔ چوہدری کے آدمی دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔اس کا بھائی اور سہم گیا اور اس نے بہن کو اپنے اور باپ کے حصار میں رکھ کر چلنا شروع کر دیا۔چلتے چلتے وہ سڑک پر پہنچ گئے مگر چوہدری کے بندے نہیں آئے۔سڑک پر دو جیپیں کھڑی تھیں۔جن میں کچھ سفید کپڑوں میں اور کچھ وردی میں پولیس کے اہلکار موجود تھے۔انہیں دیکھ کر اس کے بھائی اور باپ کو حوصلہ ہوا۔ایک جیپ میں اس کا باپ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا اور باقی لوگ پیچھے۔دوسری جیپ میں جو پیچھے پیچھے چل رہی تھی انہوں نے پولیس کے مسلح لوگ بیٹھے دیکھے تو یقین آیا کہ وہ گاؤں سے بخیریت باہر نکل آئے ہیں،گاؤں کے چوہدری کی دسترس سے بہت دور۔ایک نئی دنیا کی طرف جس کی جھلک بھی انہوں نے اب تک نہیں دیکھی تھی۔ایک نظام کے قیدی اب رہا ہو چکے تھے۔

آج کل اس کے گھر میں ایک بار پھر بھرپور رونق تھی۔نئے آنے والے ہر چیز کو حیران نظروں سے دیکھتے اور خوش ہوتے۔انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ اب ان کی دنیا واقعی بدل چکی ہے۔نئے گھر میں ہر ایک کا اپنا اپنا وسیع کمرہ۔آسائش کی ہر چیز، کھانے پینے کی وافر چیزیں۔گاؤں کی قدروں سے بہت مختلف۔کچھ لوگ آ کر انہیں شہر کے طور طریقے سکھا رہے تھے۔کچھ پڑھنا سکھا رہے تھے، کچھ ان کے حلیے سنوار رہے تھے۔زندگی ایک نئی ڈگر پر گامزن تھی۔ایسی ڈگر جس پر خوف اور ڈر کا کوئی سایہ نہیں تھا بلکہ آزادی ہی آزادی تھی۔وہ خود بھی بہت خوش تھا۔کسی نے بہت سچ کہا ہے کہ گھر انسانوں سے بنتے ہیں۔آج اس کے گھر میں اس کے ساتھ چار مزید جیتے جاگتے انسان اس کے اپنے ماں باپ، اور بہن بھائی موجود تھے۔ایک مکمل خاندان۔پہلے ماں اور باپ کے فوت ہونے کے بعد وہ کس قدر اکیلا تھا مگر ان چاروں کی آمد نے اس کی زندگی میں رنگ بھر دیا تھا۔ایک بچے کی تعلیم نے ایک بڑی معاشرتی تبدیلی ممکن بنائی تھی۔بڑی سوچ بچار کے بعد وہ ایک دن وہ اکیلا پھر اس گاؤں جا رہا تھا۔سارے گاؤں کے بقیہ غریبوں اور اس نظام کے قیدیوں کو چوہدری کے ظلم اور جبر سے ہمیشہ ہمیشہ کی نجات دلانے کے لئے۔گاؤں میں رہنے والے بچوں کی فلاح کے لئے ان کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے کیونکہ تعلیم ہر زنجیر توڑ دیتی ہے۔راستے بھر یہی سوچ کر اس کا چہرہ اک انجانی مسرت سے خوب منور ہو رہا تھا۔☆☆☆

نواب مرزا خاں داغ دہلوی اور مُنّی بائی حجاب

۱۸۷۹ء میں داغؔ نے رام پور میں قیام کے دوران مُنّی بائی حجاب نامی خاتون جو کلکتہ سے رام پور بے نظیر باغ کے میلے میں آئی تھی سے عشق بھی فرمایا تھا۔اس خاتون کے جانے کے بعد ایک برس داغؔ نے بڑی اذیت میں گزارا۔آخر داغؔ نے حجاب کو واپس بلا لیا۔حجاب کے دوبارہ ملنے پر فریاد داغؔ میں داغؔ کہتے ہیں۔

جا کے عہد شباب کا آنا | تھا دوبارہ حجاب کا آنا
پھر وہی ساعت عید آئی | کہ برس دن کے بعد عید آئی

بہت لمبا عرصہ ملنے بچھڑنے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد داغؔ رام پور سے حیدر آباد چلے گئے اور نواب محبوب علی خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔انہیں ایک ہزار روپیہ ماہوار ملتے تھے۔مرزا داغؔ مرتے دم تک نواب صاحب کی مصاحبت میں ہی رہے۔۱۸۹۷ء میں داغ کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں۔جب رفیقہ حیات کی جدائی نے تڑپایا تو حجاب کی یاد ہو گئی،حجاب آئی لیکن دونوں کے نظریات بدل چکے تھے۔کہا جاتا ہے کہ لاڈلی بیگم (ان کی آغوشی بیٹی) کے اختلاف کی وجہ سے ملن نہ ہو سکا اور حجاب واپس کلکتہ چلی گئی۔اس کے بعد زیادہ عرصہ جی نہ سکے۔

آج کی بات!

(تحریر: بشریٰ حفیظ صاحبہ۔ایڈمنٹن۔کینیڈا)

آیئے آج کچھ ایسی باتیں کریں جو میرے خیال میں روزمرہ زندگی میں یاد رکھیں تو کام آسکتی ہیں۔ہم میں سے کئی لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے، کہ اپنے گریبان میں منہ ڈالے بغیر بڑے زور شور سے دوسروں کو نہ صرف نصیحت کرنا فرض سمجھتے ہیں بلکہ ان کا محاسبہ کرنے میں بھی بہت آگے ہوتے ہیں۔

میرے خیال میں ایک نیکی یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے خود اپنا محاسبہ کریں، اور ذرا اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھیں کہ مجھ میں کیا کیا غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں اور میں ان کو اپنی ذات سے کیسے دور کرسکتی یا کرسکتا ہوں۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نیک کام شروع کرنے کے لئے عمر یا وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ویسے تو جوانی کی عبادت زیادہ مقبول سمجھی جاتی ہے لیکن عمر کے آخری حصے میں بھی اپنے اعمال کو درست کرنے کے لئے اگر اللہ تعالی نے عمر عزیز کے ابھی کچھ سال رکھے ہیں تو شروع کردیں۔اس طرح اگر دس آدمی بھی اپنے آپ کو سدھار لیں گے تو کم از کم دس فیصد معاشرہ تو ضرور ٹھیک ہوسکتا ہے۔ پھر یہ جاگ اگر معاشرے کو لگ جائے گی تو پھر یہ وہ صاف ستھرا منہ زور پانی ہوگا جو گندے پانی کو بھی صاف کرتا چلا جائے گا۔

مصیبتوں اور مشکلات کو ٹالنے کے لیے صدقہ رد بلا ہے۔حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''آگ سے بچو چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی۔'' مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، صدقہ دو چاہے تھوڑی مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری چیز صدقہ جاریہ ہے، جو انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔کہتے ہیں کہ نیک اولاد اپنے بعد چھوڑ جانا، یا پھر کوئی اچھا کام کر کے جانا، ایک شخص کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔اب صدقہ جاریہ کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔

کئی دل والے امیر لوگ مخلوق خدا کے لئے ہسپتال سکول یا پھر فلاحی ادارے بنا جاتے ہیں یا کچھ لوگ اچھی کتابیں لکھ جاتے ہیں جن سے صدیوں تک آنے والی نسلیں مستفیض ہوتی ہیں۔میں مانتی ہوں یہ ہر کسی کا کام نہیں ہے لیکن کئی چھوٹی چھوٹی باتیں اور چیزیں ایسی ہیں جو ایک عام انسان بھی کرسکتا ہے۔مثلاً اگر کوئی پڑھا لکھا ہے تو اپنے قریب رہنے والے کو تھوڑا سا پڑھنا لکھنا ہی سکھا دے۔گھر میں کام کرنے والی مائی یا مالی ہے تو اس کو اتنا پڑھنا لکھنا سکھا دے کہ وہ تھوڑی اخبار ہی پڑھ سکے، تاکہ اپنے اردگرد کے حالات سے کچھ تو باخبر ہو۔اپنے وطن پاکستان کے حساب سے یہ کہتی ہوں کہ کم از کم لوگ ووٹ کی اہمیت کا مطلب ہی سمجھ جائیں۔کہ ووٹ کا اہل ہونے کی حیثیت سے ان پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اب دیکھیں ویسے تو ووٹ دیتے ہوئے یہ واحد موقع ہوتا ہے کہ امیر غریب سب ایک ہی لائن میں کھڑے ہوتے ہیں۔لیکن افسوس صد افسوس زیادہ تر لوگ اپنا قیمتی ووٹ صرف ایک بریانی کی پلیٹ یا برگر کے عوض بیچ دیتے ہیں۔

ہاں تو میں بات کر رہی تھی کہ اپنے کسی ان پڑھ اور غریب کام کرنے والے کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں لیکن برائے مہربانی اس کے عوض اس کی تنخواہ میں سے پیسے نہ کاٹیں بلکہ جب وہ اپنے کام میں سے وقت نکال کر آپ کے پاس پڑھنے بیٹھے تو ایک چائے کا کپ یا جوس کا گلاس پینے کو دے دیں۔اس بہانے اس کے دل میں پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔یہ بھی ایک قسم کا صدقہ جاریہ ہے۔

کینیڈا میں تو ابھی حالات بہتر ہیں۔اگرچہ ایک بڑی تعداد دوسرے ملکوں سے یہاں آکر آباد ہو رہی ہے جو اپنے ساتھ اپنے سامان میں کئی پیچھے کی غلط حرکتیں بھی لے آئی ہے لیکن الحمدللہ ابھی حالات بہتر ہیں۔لیکن ایشین ممالک میں اکثر گلیوں میں سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں۔آپ اپنی گلی محلے سے شروع کردیں ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن منتخب کریں اور صرف ایک گھنٹہ اس کار خیر میں اس طرح صرف کریں کہ ہاتھوں میں دستانے پہن لیں ایک پلاسٹک کا بیگ لے لیں۔گلی میں اگر کوئی چھوٹا موٹا کوڑا کرکٹ پڑا ہے جیسے ردی کاغذ خالی بوتلیں، آج کل لوگ ماسک استعمال کر کے اس کو بڑی لاپرواہی سے گلی میں پھینک کر چلے جاتے ہیں، بیگ میں ڈالتے جائیں اور پھر کوڑادان میں ڈال دیں یہ بھی صدقہ ہے۔

اپنے ملک میں درخت کاٹنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ درخت لگانے کی کوشش کریں یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔

کوئی ضرورت مند دکھی شخص آپ سے کبھی اپنا حال دل کہہ لے اور ظلم اور ناانصافی جو اس کے ساتھ ہوئی ہو یا اس شخص کا کوئی راز ہو جو وہ آپ سے کہہ کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہتا ہے تو سکون سے سنیں۔لیکن پھر اس کو اپنے دل کے سمندر میں ایسے غرقاب کر دیں کہ جیسے سنا ہی نہیں یہ بھی صدقہ ہے۔

ہمیشہ اپنے دوست بلکہ اگر کسی کو نہیں جانتے اس سے بھی مسکرا کر ملیں یہ بھی صدقہ ہے۔

بات کرنے سے پہلے ہمیشہ سوچیں پھر بولیں۔لڑائی جھگڑوں میں ایک دوسرے پر ہم گند اچھالنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور فخریہ انداز میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھا میں نے اس شخص کو ایسی کھری، کھری سنائیں کہ اس کا منہ بند ہو گیا۔ یہ بڑائی نہیں ہے۔لڑائی میں بھی دوسرے کا پردہ رکھیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس پر آپ کو تمام عمر پچھتاوا ہو اور خدا سے معافی مانگی پڑے یہ بھی صدقہ ہے۔

السلام علیکم کہنے میں ہمیشہ پہل کریں اپنی زبان میں ہی سلام کہنے تک محدود نہ رہیں۔اگر آپ یورپ امریکہ یا کینیڈا جیسے ممالک میں رہ رہے ہیں، تو وہاں کام کے دوران ہمارا ہر مذہب وملت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔وہاں گڈ مارننگ یا گڈ ایوننگ کہیں گے تو یہ بھی سلام کرنا ہی۔ مجھے یاد ہے جب میں اپنی شفٹ ختم کر کے باہر نکل رہی ہوتی، تو اگلی شفٹ کی لڑکیاں آ رہی ہوتی تھیں۔ میں ان کو گڈ مارننگ کہہ کر گزرتی تو کئی حیران ہو کر مجھے دیکھتیں اور ان کے چہروں سے صاف نظر آتا تھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ

''میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں''

لیکن میرے بڑے وثوق سے گڈ مارننگ کہنے پر وہ جواب میں مسکرا کر گڈ مارننگ کہنے پر مجبور جاتیں۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگ صرف اپنے پسندیدہ لوگوں کو سلام کر کے پاس کھڑے دوسرے لوگوں کو نظر انداز کر کے آگے گزر جاتے ہیں گویا وہ ان کو سلام کہنے کے قابل ہی نہیں سمجھتے۔کئی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر کوئی عام شخص ان سے ہاتھ ملانے کی کوشش کرے تو اپنے ہاتھ کی صرف تین انگلیاں سلام کے لئے بڑھے ہوئے ہاتھ سے بس ذرا سا ٹچ کر کے پرے ہو جاتے ہیں۔حالانکہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام میں پہل کرنے والے شخص کے لئے بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔پس گرمجوشی سے ہاتھ ملانا اور ہر خاص وعام سے سلام میں پہل کرنا بھی صدقہ جاریہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر اس نیک کام کو کرنے کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو۔آمین یارب العالمین۔ ☆☆☆

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4۔ فل سائز۔کلر۔150£ ہاف پیج۔کلر۔ 80£ کوارٹر پیج۔کلر۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

مشرقی اُفق

''کتاب: قائداعظم، تقاریر و بیانات 1911 تا 1931''

تحریر: میر افسر امان

ریاض احمد چوھدری صاحب ڈائریکٹر/سیکرٹری بزم اقبال لاہور کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تقاریر اور بیانات کے متعلق کتاب تحفتاً ارسال کی۔ یہ انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ قائداعظم کی انگریزی کتاب selected speeches and statement of the qauid.i.azam mohammad ali jinnah)1911to34and1947.48) یہ کتاب بزم اقبال لاہور نے محسن ملت، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تقاریر و بیانات کا پہلا مجموعہ 17/مارچ 1911ء تا 26 نومبر 1931ء اُردو زبان میں شائع کر کے اُردو دانوں کی خدمت میں پیش کی ہے۔ یہ اُردو ترجمہ جناب اقبال احمد صدیقی نے کیا۔ قائداعظمؒ کی تقریباً 99 تقاریر اور بیانات میں اس کتاب میں پچپن (55) ہیں۔ ان میں نے ہم نے ان مضمون میں تقریباً آدھی کو لیا ہے۔ قائداعظمؒ کی ساری تقاریر اور بیانات آزادی ہند، دوقومی نظریہ کی بنیاد پت تقسیم ہند اسلام کی سربلندی کے متعلق ہیں۔ ہندوستان میں جب تحریک پاکستان زروں پر تھی تو ہندوؤں کے لیڈروں کے دو بیانات بہت اہم ترین ہیں۔ ایک تو یہ کہ اب تو قائداعظمؒ نے برعظیم کے مسلمانوں میں اسلامی جذبے کو اِتنا اُجاگر کر دیا ہے کہ پاکستان کلمہ لاالہ الا اللہ کے نام پر اسلامی نظامِ حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پاکستان بننے کے علاوہ اب کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جب پاکستان بن جائے گا تو ہم پاکستان میں ایسے بندے تلاش کر لیں گے جو گانگریس کے بیانے قومیں اُوطان سے بنتی ہیں کو عام کر کے پاکستان کو سیکولر بنا لیں گے۔ یہی ہوا وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان شہید ملت کے بعد مسلم لیگ کے کھوٹے سکوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس ماڈرن زمانے میں چودہ سو سالہ پرانا اسلامی نظامِ حکومت قائم نہیں ہو سکتا۔ کون سے فرقے کا اسلامی نظام قائم کیا جائے؟۔ اس پر سید مودودیؒ اور دیگر علما نے سارے مکتبہ فکر کے علما کے 32/افراد کو جمع کر 22 نقات پیش کر دیے کہ اس طرح اسلامی نظام حکومت اس دور میں بھی قائم ہو سکتا ہے۔

کوئی پریشانی نہیں۔ مجھے فکر اس بات کی کھا رہی ہے کہ جب پاکستان بن کر افغانستان اور مسلم دنیا سے مل جائے گا۔ پھر ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے بھارت نے سرحد کے قوم پرست عبدالغفار خان کو استعمال کیا اس سے وعدہ کہا کہ اسے پختونستان ایک علیحدہ ریاست بنانے میں مدد کریں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ افغانستان ہمیشہ ایک قوم پرست حکومت رہی ہے۔ اس نے پاکستان بننے پر تسلیم بھی نہیں کیا تھا۔ صرف افغان طالبان کی پہلی اور موجودہ اسلامی امارت اسلامی ایک اسلامی اور پاکستان دوست ریاست ہے۔ یہی مسلمانوں کا خواب ہے جس سے مہاتما گاندھی فکرمند تھا۔ ہم نے اپنی تازہ کتاب ''افغانستان سلطنتوں کا قبرستان'' میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قوم پرست نیشنل عوامی پارٹی کے ایک منحرف مرکزی لیڈر جمعہ خان صوفی جس نے ''فریب ناتمام'' کتاب تصنیف کی ہے، میں لکھتے ہیں کہ بقول عبدالغفار خان، مہاتما گاندھی نے اِسے دھوکا دیا کہ ریفریڈم اس بات پر کرایا کہ سرحد کے عوام پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا کہ بھارت میں۔ پختونستان کا اس میں ذکر ہی نہیں تھا۔ سرحد کے ننانویں (99) فی صدی عوام نے پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ دیا تھا۔

اس تمہید کے بعد اب بات کرتے ہیں کتاب ''قائداعظم۔ تقریر و بیانات'' پر۔ 17/مارچ 1911ء میں امپریل لیجس لیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے مسلم رعایا کے حقوق کے بارے میں قائداعظمؒ فرماتے ''میں ملک معظم کی مسلم رعایا کے وقف کی شکل میں اپنے کنبوں اور وارثوں کے حق اپنی املاک کے تصفیہ کے ضمن میں حقوق کی وراثت کے لیے مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں'' اس طرح قائداعظمؒ نے مسلمانوں کے حقوق کی بات کی۔ اپریل 1913ء میں تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''میں نے مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر غور کیا جائے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کی ان حقوق کا

اعلان کرنا ہے'' قائد اعظمؒ نے اس کی تائید کی۔ 21 ؍اکتوبر 1916 سولھویں بمبئی صوبائی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ''ہندوؤں سے اپیل کی کہ وہ مسلمانوں کے لیے جداگانہ حق رائے دہی کا خیر مقدم کریں'' یہ قائد اعظم کا ہمیشہ سے وژن تھا۔30 دسمبر 1916ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔'' ہندو مسلم تعلوقات ،تجاویز، سلطنت میں ہند کی پوزیشن اور مسئلہ خلافت پر روشنی ڈالی'' جہاں بھی مسلمانوں کے حق کی بات کی۔ 30 جولائی 1917ء بمبئی پریڈنسی ایسوسی ایشن کے جلسہ کی صدارت میں فرمایا کہ'' وقت ضائع کیے بغیر اپنی حکمت عملی کا اعلان کردیں اور رائے عامہ کے احترام میں جو سارے ملک میں غیر مبہم اور شدید ہے حالیہ حکمت عمل کو تبدیل کرنے کا حکم جاری کریں۔ یہ اس بات پر کہا جاتا کہ ہمیں اپنے دلوں سے یہ خیال بل لکل نکال دینا چاہیے کہ ہند کو جلد حکومت خود اختیاری مل سکتی ہے'' اس جگہ بھی حکومت ہند سے آزادی کی بات کی۔13 ؍ستمبر 1917ء لیجس لیٹو کونسل میں پنجاب کے بارے سر میں محمد شفیع کی قرادار سے بڑھ کر قائد اعظم نے کہا'' میرے خیال میں پنجاب میں گورنر بشمول کونسل ہونا چاہیے اور ایک ہائی کورٹ زیر نگرانی حکومت ہند'' اس جگہ پنجاب کے مسلمانوں کے حق میں بات کی۔ 7 ؍ستمبر 1918ء میں مسٹر سریندر ناتھ بینر جی ایک قراداد پیش کی۔ جس میں بتدریج اصلاحات کا کہا گیا۔ قائد اعظم نے کہا کہ'' مجوزہ اصلاحات حکومت خود اختیاری سے بتدریج حصول میں جانب اثباتی اقدام نہیں ہیں۔ بلکہ مطالبہ کیا کہ جیسی اصلاحات صوبوں کے لیے تجویز کی گئی ہیں ویسی ہی مرکز میں بھی رائج کی جائیں''۔ قائد کے بہتر وژن کو پورے ہند میں تسلیم کیا گیا۔ 23 ستمبر 1918ء کو رولیٹ کمیٹی کی رپورٹ کو ملتوی کرنے کی مسٹر جی ایس کھاپردے قرارداد پر قائد نے فرمایا'' کہ لارڈ سیڈی نہیم اور دیگر لوگ تجاویز اصلاحات کے خلاف اس رپورٹ کو ہوا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں''۔ یہاں بھی قائد اعظم نے مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کو ناکام بنایا۔ 6 ؍فروری 1919ء پہلی عالمگیر جنگ کے وقت جو قانون بنائے گئے تھے اس کو جنگ کے بعد ختم کرنے پر قائد اعظم نے کہا کہ'' مجھے اب بھی امید ہے کہ وزیر ہند مسٹر مائیگو ملک معظم کو مشورہ دیں گے کہ وہ اس سیاہ قانون کی نامنظوری کا اعلان کریں'' یہاں ہند میں سیاہ قانون ختم کرنے کی بات کی۔ 8 ؍فروری 1924ء کہا گیا کہ 1919ء کے دستور پر نظر ثانی کے لیے ضروری اقدام کیے جائیں تو قائد اعظم نے فرمایا'' میں آنریبل ممبر داخلہ پر زور دوں گا اس اقدام کے آغاز کے لیے ہمارے طریقہ کار کو قبول فرمائیں۔ اور کہا کہ سب سے پہلے حکومت ہند مکمل ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے یے قانون حکومت ہند پر نظر ثانی کرے'' یہاں اپنی جائز طریقہ کار کی حمایت کی۔

6 ؍مارچ 1924ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا کہ'' فوجی مد کے تحت رقم تو بہت زیادہ خرچ کی جاتی ہے۔ لیکن فوج کے افسروں کے زمرے میں ہندیوں کی نمائندگی بہت کم ہے'' اس جگہ بھی ہند کا مقدمہ لڑا۔ 11 ؍مارچ 1924ء میں نیشلنٹ پارٹی کے مؤقف کی تائید کرتے ہو کہا کہ'' کوئی غلط تاثر بیرون ملک قائم نہ کیا جائے۔ نیشنلسٹ پارٹی کا مؤقف تو میں نے بیان کردی اور غلط فیمی کی کوئی گنجائز نہیں ہوسکتی'' اس جگہ پنجاب کے مسلمانوں کی بات کی۔ 24

مئی 1924ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس قائد اعظم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ہندو اور مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کی بات کی اور کہا کہ'' آئر لینڈ اور مصر کے معاملے پر غور کریں کہ انہوں نے کس طرح برطانوی پارلیمان اور برطانوی قوم کے ہاتھوں سے آزادی چھینی'' جہاں بھی عوام کو آزادی کے لیے اُبھارا۔

قارئین کرام! جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ قائد اعظمؒ کی پوری زندگی آزادی ہند، اسلام کی سربلندی اور دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہند کی تقسیم کی جدو جہد سے عبارت ہے۔ یہی ان کی تقاریر اور بیانات میں نظر آتا ہے۔ اللہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو کروٹ کروٹ سکھ نصیب کرے کہ ان کی کوششوں سے آج ہم آزاد ہیں۔ آمین۔

کامن ویلتھ گیمز 2022 میں آسٹریلیا کے 1000 گولڈ میڈل

(مکمل: منظر و پس منظر)

تحریر:
ڈاکٹر طارق مرزا
آسٹریلیا

برطانیہ کے شہر برمنگھم میں گیارہ روز تک جاری رہنے والی کامن ویلتھ گیمز کی کھیلیں 9 اگست کو اختتام پذیر ہوئیں۔

آسٹریلیا نے نہ صرف ان کھیلوں میں مجموعی طور پر سب سے زیادہ (178) میڈل جیتے بلکہ سب سے زیادہ (67) گولڈ میڈل بھی جیتے۔ یہی نہیں بلکہ کامن ویلتھ گیمز کی تاریخ میں آسٹریلیا نے سب زیادہ یعنی ایک ہزار ایک (1001) گولڈ میڈل جیتنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ ہزارواں گولڈ میڈل آسٹریلیا کی خواتین کی نیٹ بال ٹیم نے اپنے ملک کو دلوایا، اور تاریخ رقم کر دی۔

آسٹریلیا کے بعد سب سے زیادہ گولڈ میڈل جیتنے والا ملک انگلینڈ 773 تمغوں پر جبکہ تیسرے نمبر پر کینیڈا ہے جس نے کامن ویلتھ گیمز کی تاریخ میں اب تک 510 سونے کے تمغے جیتے ہیں، جبکہ 203 گولڈ میڈلز کے ساتھ بھارت چوتھے نمبر پہ ہے۔ پاکستان مجموی طور پر 27 گولڈ میڈل کے ساتھ پندرھویں پوزیشن پر ہے۔

واضح رہے کہ یہ کوئی پہلا موقع نہیں جب آسٹریلیا نے دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے زیادہ گولڈ میڈل جیتے ہیں۔ امسال 66 گولڈ میڈل جیتنے والا ملک، آسٹریلیا 1994ء میں 87 جبکہ 2006ء میں 84 گولڈ میڈل سمیٹنے میں کامیاب ہوا تھا۔

کامن ویلتھ کے علاوہ اولمپک گیمز میں بھی آسٹریلیا کے کھلاڑی نمایاں کارکردگی دکھاتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کرکٹ، رگبی، فٹبال، ٹینس، پیراکی، ہاکی وغیرہ کے میدانوں میں بھی آسٹریلیا ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

لیکن ایک پورے براعظم پر مشتمل کم آبادی والا یہ ملک کھیلوں کی دنیا میں شروع سے ایسا نہیں تھا۔ آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل تک تو آسٹریلیا کو ویسے ہی برطانیہ کی ایک نوآبادیاتی کالونی کے طور پر جانا جاتا تھا، جسے انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ کے سزایافتہ قیدیوں کے لئے بطور ''کالا پانی'' استعمال کیا جاتا تھا۔

کامن ویلتھ گیمز کا آغاز 1930ء میں ہوا تھا، جو اس وقت برٹش ایمپائر گیمز کہلاتی تھیں۔ 1938 میں یہ کھیلیں آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں منعقد ہوئیں جبکہ آسٹریلیا کو برطانوی نوآبادی بنے 150 سال ہونے کی تقریبات بھی منائی جا رہی تھیں۔ ان کھیلوں میں آسٹریلیا صرف 8 گولڈ میڈل جبکہ مجموعی طور پر 14 میڈل جیتنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

طوالت سے گریز کرتے ہوئے، اس کے بعد 1976 کے مانٹریال اولمپکس پہ آ جائیں تو اس میں بھی آسٹریلیا مایوس کن کارکردگی کے ساتھ محض ایک چاندی کا اور چار کانسی کے تمغے اپنے نام کر سکا تھا۔ جبکہ اس وقت کا سوویت یونین سونے کے 49، چاندی کے 41، کانسی کے 35 تمغے جیت کر سرفہرست رہا تھا۔ (پاکستان کی ہاکی ٹیم نے اپنے وطن کے لئے کانسی کا واحد تمغہ جیتا تھا)۔

آسٹریلیا کی اس مایوس کن کارکردگی کا یہ واقعہ ایسا تھا جس نے اس قوم کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ عوام کی لعن طعن، کھلاڑیوں کے شرم سے لال ہوئے چہروں اور بیچارگی نے ارباب اقتدار اور صاحبان حل وعقد کو مل بیٹھ کر کھیلوں کی ترویج و ترقی کے لئے سنجیدگی سے اور بھرپور طریق پر کام شروع کرنے کا بیڑہ اٹھانے پر مجبور کر دیا، جس کے بعد وہ آج تک کبھی آرام سے نہیں بیٹھے۔

آسٹریلین انسٹیٹیوٹ آف سپورٹس کا قیام 1981 میں لایا گیا جس نے جدید خطوط پر کھلاڑیوں کی تربیت، خاص کر ان کی نفسیاتی صحت کے لیئے بہت سارے پروگرام جاری کئے۔ ملک میں سپورٹس سائنس اور سپورٹس میڈیسن کے شعبہ جات کھولے گئے۔ انسانی جسم کے کمپیوٹر ماڈل تیار کر کے جدید ترین تربیتی سہولیات تقریباً ہر شہر میں مہیا کی گئیں۔

تعلیمی اداروں میں بھی سپورٹس پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور ہر سطح پر تربیتی کیمپ سارا سال ہی جاری رہتے ہیں۔ ان کا مقصد خاص طور پر ایسی کھیلوں کی ترویج ہے جن میں مہارت حاصل کر کے گولڈ میڈل جیتنے کے مواقع آسانی سے مل سکتے ہیں، نہ کہ محض گنتی کی عام مروج کھیلوں پر ہی وقت اور پیسہ صرف کرنا۔

اسی طرح جینیٹکس کی جدید تحقیق کی مدد سے ایسے کھلاڑی ڈھونڈے جاتے ہیں، جو کسی ایک مخصوص کھیل میں قدرتی طور پر با آسانی اچھی کارکردگی دکھا سکنے کی صفات کے حامل ہوں۔ بالفاظ دیگر کوئلے کی تراش خراش پر وقت اور وسائل

کرنے کی بجائے ہیروں کو ڈھونڈھ کر ان پہ اتنی ہی بلکہ اس سے بھی کم محنت کر کے ایک شاہکار تیار کر لیا جاتا ہے۔اس کے لئے باقاعدہ یونیورسٹی لیول پر تحقیقی ادارے قائم کئے گئے ہیں،اور نمایاں سائنسدان ان میں اپنی خدمات بجالاتے ہیں۔

جہاں تک حکومتی فنڈنگ کا تعلق ہے تو صرف خاتون سپورٹس کوچ ٹریننگ پروگرام پر گزشتہ برس 6۔3 ملین ڈالر مختص کئے گئے تھے۔

جبکہ کمیونٹی سپورٹس لیڈرز پروگرام پر 4 ملین ڈالر صرف خواتین کوچز کی ٹریننگ پہ لگائے گئے تھے۔

گزشتہ ایک سال کے اندر لگ بھگ 80 ملین ڈالر سپورٹس سکولنگ پروگرام پر صرف کیئے گئے جس سے ہر سال تقریباً ڈھائی ملین طلباء مستفید ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے خاکسار نے عرض کیا کھلاڑیوں کی ذہنی اور نفسیاتی صحت،اندازِ فکر اور رویوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

راقم کو سابق آسٹریلین کرکٹ کپتان رِکی پونٹنگ کا ایک انٹرویو یاد ہے،جبکہ انہیں بعد از ریٹائرمنٹ کرکٹ ٹیم کا بیٹنگ کوچ مقرر کیا تھا تو ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بیٹس مین کو یہ نہیں بتانا کہ کریز پہ کیسے کھڑے ہونا ہے یا بلا کیسے گھمانا ہے،یہ تو انہیں پہلے سے ہی معلوم ہے۔بحیثیت کوچ میرا کام یہ ہوگا کہ کہ آؤٹ ہونے والے بیٹس مین کو سامنے بٹھا کر اس سے یہ کریدوں کہ جب تم کسی بال پر آؤٹ ہو رہے تھے تو تمہارا دماغ اس وقت کیا سوچ رہا تھا،تم پھینکی گئی بال کے بارہ میں کیا حساب کتاب لگا رہیتھے،تمہارا کیا خیال ہے کہ اس وقت کون سا نکتہ تھا جو اس ایک لمحہ میں تمہارے ملحوظ خاطر نہیں رہا اور تم آؤٹ ہو گئے۔کھڑے ہونا ہے یا بلا کیسے گھمانا ہے،یہ تو انہیں پہلے سے ہی معلوم ہے۔بحیثیت کوچ میرا کام یہ ہوگا کہ کہ آؤٹ ہونے والے بیٹس مین کو سامنے بٹھا کر اس سے یہ کریدوں کہ جب تم کسی بال پر آؤٹ ہو رہے تھے تو تمہارا

دماغ اس وقت کیا سوچ رہا تھا،تم پھینکی گئی بال کے بارہ میں کیا حساب کتاب لگا رہے تھے،تمہارا کیا خیال ہے کہ اس وقت کون سا نکتہ تھا جو اس ایک لمحہ میں تمہارے ملحوظ خاطر نہیں رہا؟اور تم آؤٹ ہو گئے۔

قارئین کرام! کھیل کا میدان ہو،تجارت ہو،سیاست ہو،حکومت ہو یا کوئی اور شعبہءِ حیات،حاضر دماغی اور حکمت ملحوظ خاطر نہ رہے تو آؤٹ ہونے اور بسا اوقات پھر عمر بھر کے لیے آؤٹ رہنے ہی کے امکانات کہیں بڑھ جاتے ہیں۔کامیاب وہی رہتا ہے جو ہر دم اپنی غلطیوں کا پوسٹ مارٹم کرتا ہے اور دوبارہ ان کا مرتکب نہیں ہوتا۔

لیکن سب سے پہلا اور بڑا مرحلہ،یا یوں کہیں کہ سب سے بڑی غلطی اپنی غلطی کو غلطی تسلیم نہ کرنا ہے۔وطن عزیز پاکستان میں یہی مرض ہے جو عام ہے،پوسٹ مارٹم کو تو بھول ہی جائیں۔

فرمان الٰہی!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ''اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اُسی میں سے اُس نے اس کا جوڑا بنایا۔اور اس نے تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے نازل کئے۔وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیروں میں ایک خَلق کے بعد دوسری خَلق عطا کرتے ہوئے پیدا کرتا ہے۔یہ ہے اللہ تمہارا ربّ۔اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔پس تم کہاں اُلٹے پھرائے جاتے ہو؟'' (سورۃ الزمر آیت ۷)

ترقی یا غلامی کا پھندہ!!

(تحریر تحقیق: سمیع اللہ ملک)

کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو مسلسل ہوتے رہتے ہیں لیکن کسی کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا یا احساس تو ہوتا ہے لیکن اس کی تہہ تک پہنچنا عام آدمی کے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی سچ ہے۔ اگر کسی شخص نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اسے بڑی مشکلوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد یہ ثابت کرنا کہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہ کس حد تک غلط ہے، آسان کام نہیں ہوتا اور پھر جہاں خبریں سیکنڈوں میں دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچانے کیلئے بڑے بڑے آلات ہوں تو ایسی حالت میں کوئی سچائی کیوں سنے اور کیسے اس پر یقین کرے؟

کچھ ایسی ہی صورتحال اس وقت اقوامِ عالم میں مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ نائن الیون سے قبل دہشت گردی کی اصطلاح نہ مقبول تھی اور نہ ہی خاص وعام کو اس کے لب لباب سے واقفیت تھی۔ نائن الیون کیسے ہوا؟ یہ ایک ایسا راز ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کیلئے کم از کم ایک صدی درکار ہے۔ اگر نبیوں کے ظہور کا زمانہ ہوتا تو شائد مسلمانوں کو اللہ تعالی کی جانب سے پھر کسی گائے کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر اس پر مارنے کا حکم دیا جاتا اور یوں نائن الیون کا راز کھل جاتا۔ عراق اور افغانستان حملوں کی زد سے بچ جاتے اور دہشت گردی کی اصطلاح بھی زور نہ پکڑتی لیکن اب کیا ہو سکتا ہے، نبوت نبی آخری الزماں محمد ﷺ پر ختم ہو چکی ہے، اس لئے ایسے کسی حکم کے آنے کی امید تو نہیں کی جا سکتی، جب حضرت عیسی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو یہ راز کھلے گا یا نہیں، یہ تو اس وقت کی نسل ہی بتائے گی البتہ بھارت میں صدیوں سے نجوم کا کام کرنے والے اور دوسروں کا حال بتانے والے جوتشی مسلسل پاکستان کے مستقبل سے خوفزدہ ہیں۔

بہرحال نائن الیون ایک بار ہوا، صرف دو ٹاور گرے، جو لوگ اس حملے میں مارے گئے یقیناً وہ بے گناہ تھے اور اسلام میں بے گناہوں کو نشانہ بنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس حادثے کے بعد سے امریکا تو پرسکون ہے البتہ مسلم دنیا خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہو رہی ہے اور ایسا کرنے کیلئے دہشتگردی کی اصطلاح کا سہارا لیا گیا۔ دہشتگردی تو اتنی نہیں پھیلی البتہ دہشتگردی کی اصطلاح خوب پھلی پھولی اور خوب پروان چڑھی۔ اب تو دہشتگردی کی اصطلاح کو سمجھنا اتنا آسان ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کی تاریخ بتا سکتا ہے یعنی دہشت گردی کا مطلب ''نائن الیون'' اور دہشتگرد کا مطلب ''مسلمان''۔ اب ایسا کہنا غلط ہے یا صحیح، دنیا کو سمجھاتے رہیے۔ مودی جو خود گجرات میں بے گناہ مسلمانوں کی ہولی کھیل چکا اور اب مسلسل کشمیر میں دیشت گردی کر رہا ہے، وہ بھی اپنے ناپاک منہ سے پاکستان کو دہشت گرد کہتا ہے جب کوئی ثبوت مانگے جائیں تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کیلئے بیان آ جاتا ہے کہ لیکن کون سنتا ہے۔ ''کچھ مسلمان دہشتگرد ہیں اور ان چند لوگوں کی وجہ سے پوری قوم کو تو بدنام نہیں کیا جا سکتا۔''

بھارت میں مسلمان اقلیت میں ہیں، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، بہت سے حقوق انہیں اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ وہ اقلیت میں ہیں اور بہت سے حقوق اس لئے چھین لئے جاتے ہیں کہ ان کی حیثیت اقلیت کی سی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ بھارت میں بہت کچھ ہوتا ہے، انہیں لوٹا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، عزتیں پامال کی جاتی ہیں، جیلوں میں ڈالا جاتا ہے اور ان پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں ہوتا۔ وجہ صاف ہے کہ یہود وہنود اپنے جرائم چھپانے کیلئے دنیا کی توجہ ہٹانے کیلئے مسلمانوں پر سارا ملبہ گرا کر خود اس کی اوٹ میں اپنا غلیظ اور گھناؤنا چہرہ چھپانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کا کتنا اثر ہوتا ہے کہ بھارتی سپریم کورٹ کا ایک جج یہ کہہ رہا ہے کہ وہ بھارت میں طالبانائزیشن کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ بھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ ان سے یہ سوال پوچھا ہی نہیں گیا تھا کہ بھارت کے مسلمان طالبان بننا چاہتے ہیں انہیں اس کی اجازت دی جائے بلکہ مقدمہ کچھ اور تھا اور اس پر فیصلے کے ساتھ ساتھ کچھ اور کہہ دیا گیا۔ اب ذرائع ابلاغ کو کیا چاہیئے تھا، بات بہت ہی اہم تھی، یہی ان کا موضوع تھا اور چونکہ بات

جمہوریت کے اہم ستون سے نکلی تھی اور بہت ہی اہم شخصیت نے اس پر اپنی زبان کھولی تھی تو ظاہر ہے اس پر کچھ کہنا اور ساتھ ہی نمک مرچ لگانے میں کیا حرج تھا! تو معاملے پر خوب شور مچا، اصل مقدمے پر عدالت میں بحث ہوئی اور نہ ہی ذرائع ابلاغ میں ان دنوں سوشل میڈیا کے منہ زور گھوڑے کی لگام تھامنا کوئی آسان کام نہیں رہا لیکن ایسا بھی نہیں کہ ہم اس بے قابو فتنے کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور خود کو اسی بہاؤ کے حوالے کر دیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہ جان سکیں کہ ترقی کے نام پر جو غلامی کا پھندا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور اس سے بچنے کیلئے ہمیں کیا کچھ کرنا ہوگا۔ ہمیں سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ ہم جیسے پسماندہ ملکوں میں بڑے بڑے موٹروے، شاندار ایئرپورٹ، شہری زندگی کے چمک دمک والے منصوبے، عالمی فاسٹ فوڈ کی دکانیں، ہر طرح کے فیشن برانڈ، شاپنگ مال، عالمی معیار کے تھیٹر، سینما گھر اور ثقافتی مرکز کیوں کھولے جاتے ہیں؟ غربت کی ماری ان اقوام کا ایسا جزیرہ نما روشن چہرہ کس مقصد کی لئے تخلیق کیا جاتا ہے؟ یہ تمام پسماندہ ممالک سرمایہ کاری کیلئے دنیا بھر میں بدنام سمجھے جاتے ہیں، لیکن کوئی سوال نہیں کرتا کہ فاسٹ فوڈ کے ریستورانوں، فیشن کی دکانوں اور دیگر مصنوعات پر آپ کی سرمایہ کاری خطرے میں کیوں نہیں پڑتی؟

جس ملک (پاکستان) میں چھ کروڑ لوگ بس کا نمبر تک نہ پڑھ سکتے ہوں وہاں شاندار ایئر کنڈیشنڈ بس چلا دی جائے؟ جہاں روزانہ لاکھوں لوگ صاف پانی نہ ہونے کی وجہ سے جان لیوا بیماریوں کا شکار ہو جائیں وہاں ان کے کچے مکانوں اور تعفن زدہ محلوں کے درمیان سے چمکتی ہوئی موٹروے گزرے؟ ایک چمکدار سڑک جس کے دونوں جانب کروڑوں مفلوک الحال رہتے ہوں، جن کی بستیاں ایک ہزار سال پرانے دور کی یادگار معلوم ہوں اور موٹروے پر سفر کرنے والے بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھے وہاں پر موجود لوگ زندگی کو ایسے دیکھیں جیسے افریقہ کے سفاری پارک میں گاڑیاں گزارتے ہوئے قدرتی ماحول میں اچھلتے کودتے جانوروں کو دیکھتے ہیں۔

پاکستان جیسے غریب وافلاس کا شکار لیکن زمینی وسائل سے مالا مال ملک ایک عالمی تماشہ گاہ ہے جہاں کے رہنے والے کروڑوں لوگوں کی تعلیم، صحت، رہائش اور روزگار کیلئے کوئی قرضہ نہیں دیتا، جہاں معاشی اور صنعتی ترقی کیلئے کوئی امداد مہیا نہیں کرتا بلکہ صرف اور صرف بڑے بڑا انفراسٹرکچر بنانے کیلئے دنیا بھر کے ممالک اور عالمی مالیاتی ادارے دولت کی بوریاں اور بڑی بڑی سفارشات لے کر ان ملکوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ان ممالک کے سیاسی رہنما، دانشور اور صحافی اگر صرف دو کتابوں کا مطالعہ کر لیں تو انہیں ہر ایسے شاندار منصوبے سے نفرت ہونے لگے گی۔ انہیں وہ مستقبل نظر آ جائے جو ہر اس غریب ملک کا مقدر بنا، جنہوں نے ان منصوبوں کیلئے اپنی قوموں کو قرض کی دلدل میں اتارا، ان منصوبوں کی تعریف وتصریف سے شہرت کے محل کھڑے کیے لیکن ان عوام کو صحت، تعلیم، صاف پانی، سیوریج، امن وامان، بنیادی رہائش اور روزگار فراہم نہ کر سکے۔ ان حکمرانوں کے نام کی تختیاں ان ائرپورٹوں، موٹرویز، ثقافتی مراکز اور یادگاروں پر لٹکتی رہیں اور عوام کی نسلیں غربت وافلاس کے باوجود ان عیاشیوں کیلئے لیا گیا قرض ادا کرتی رہیں۔

یہ دونوں کتابیں ایک ایسے معیشت دان نے لکھی ہیں جو دنیا بھر کے ممالک میں ایسے تباہ کن منصوبے لے کر جاتا رہا اور ان منصوبوں کی وجہ سے یہ تمام ملک بدترین انجام تک پہنچے۔ یہ شخص جان پرکنز ہے۔ اس کی پہلی کتاب ''دی سیکرٹ ہسٹری آف امریکنز 2006 میں اور دوسری کتاب ''کنفیشنز آف این اکانومک ہٹ مین 2009 میں شائع ہوئیں۔ خوش قسمتی سے ان دونوں کتابوں کا اردو ترجمہ ''ایک معاشی غارت گر کی کہانی'' اور دوسری کتاب ''امریکی مکاریوں کی تاریخ'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں۔

یہ دونوں کتابیں کسی ناول کی طرح دلچسپ، حیرت ناک اور سنسنی سے بھرپور ہیں۔ مصنف نے پانامہ، کولمبیا، وینزویلا، ایکویڈور، انڈونیشیا، مصر اور افریقہ کے ممالک میں اپنی سرگرمیوں کی داستانیں بیان کی ہیں۔ اس کی کتابیں پڑھنے کے بعد آپ کو اپنے رہنماؤں کی بے ضمیری، وطن فروشی اور بددیانتی پر رونا آنے لگتا ہے۔ آپ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کھیتوں میں کام کرنے والا، سڑک پر بجری کوٹنے والا، مشینوں پر زندگی ختم کرنے والا، نائی، موچی، ترکھان، جولاہا اور کمہار ان شاندار انفراسٹرکچر پراجیکٹس اور ترقی کی علامت موٹرویز اور شہری سہولیات کا قرض اتارتے، اتارتے افلاس اور بیماری میں خون تھوکتے زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔

پرکنز اپنی کتابوں میں اس ساری سازش کے تین مدارج بتاتا ہے۔

مصنف بتاتا ہے کہ دنیا بھر کے وہ تمام امیر ممالک جن کی نظر غریب ممالک کے معدنی وسائل پر ہوتی ہے وہ میرے جیسے معاشی ضرب کار''اکنامک ہٹ مین'' پالتے ہیں۔ان افراد کی تنخواہ اوراخراجات وہ بڑی بڑی کنسٹرکشن کمپنیاں اورتیل ومعدنی وسائل پر قبضہ کی خواہش مند کارپوریشن اٹھاتی ہیں۔ان معاشی ضرب کاروں کو جس بھی ملک میں بھیجا جاتا ہے، یہ اس کے حوالے سے بڑی بڑی سڑکوں، ائیرپورٹوں اوردیگر خوشنما منصوبوں سے بھری رپورٹیں تیار کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کس طرح اس غریب ملک کو زیادہ سے زیادہ قرضے کی دلدل میں ڈبویا جاسکتا ہے۔جہاں دورویہ سڑکوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مستقبل کی منصوبہ بندی کا بہانہ بنا کر چار رویہ اور چھ رویہ سڑکوں پر زور دیا جاتا ہے۔یہاں وہ اپنے ایک ہم پیشہ کی مثال دیتا ہے جس نے انڈونیشیا کے بارے میں ایک حقیقت پسندانہ اسکیم بنائی تو اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔اس کے بعد پرکنز کو ذمے داری سونپی گئی اوراس نے 25 گنا لاگت کے منصوبے بنا کر پیش کیے،جنہیں عالمی بینک اورقرضہ دینے والے ممالک نے خوش دلی سے قبول کرلیا۔جب ایسے منصوبے تیار ہوجاتے ہیں تو پھر یہ ''ہٹ مین'' اس ملک کی سیاسی قیادت، بیوروکریسی اوردیگرکار پردازوں کوانتہائی خوشنما طریقے سے بریفنگ دیتا ہے۔

اس دوران اس کی تلاش ایسے بددیانت، لالچی، بے وقوف یا شہرت کے بھوکے اہل اقتدار پر ہوتی ہے جوان منصوبوں سے سستی شہرت بھی کمائیں اورمال بھی بٹوریں۔یہاں ان لوگوں کا ایک جتھا بن جاتا ہے۔ہرکوئی میٹنگوں میں ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا ہے۔انہیں ملک کی بقا اورسلامتی کی علامت بتاتا ہے۔یوں جب یہ منصوبے منظور ہوجاتے ہیں تواس امیر ملک یا مالیاتی ادارے سے قرضے کی رقم کا بندوبست بس ایک کارروائی سی ہوتی ہے۔حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ رقم اس امیر ملک سے غریب ملک میں منتقل نہیں ہوتی۔امریکا ہو یا فرانس، ترکی ہو یا چین یہ ممالک قرضے کی یہ رقم اپنی کنسٹرکشن کمپنیوں کواپنے ہی ملک میں ادا کردیتے ہیں۔رقم اسی ملک میں رہتی ہے اورقرضہ غریب ملک کے عوام کی گردن پر۔اس کے بعد ان ہٹ مینوں کی بنائی ہوئی جعلی اعداد وشمار کی رپورٹوں پر مبنی پراپیگنڈہ شروع ہوتا ہے:۔

یہ موٹروے بنا تو تجارت اتنے گنا بڑھے گی۔

یہ موٹروے بنا تو تجارت اتنے گنا بڑھے گی۔

یہ بندرگاہ بنی تو ملک پورے مشرق وسطٰی کی تجارت پر چھا جائے گا۔

یہ ٹرین یا بس چلی پڑی تو عام آدمی کے دن بدل جائیں گے۔

ان بسوں میں اوران موٹرویز پر چلنے والی پبلک ٹرانسپورٹ میں مفلس، نادار، بیمار، بے روزگار، ان پڑھ اور پسماندہ لوگ سفر کرتے ہیں۔جنہیں نہ تعلیم ملتی ہے، نہ دوا، نہ گھر میسر ہوتا ہے اورنہ نوکری۔لیکن یہی لوگ ہیں جوان موٹرویز، بندرگاہوں اورایئرپورٹس کا قرض اتار رہے ہوتے ہیں۔جب کسی ملک پر ڈھیر سارا قرض چڑھ جاتا ہے تو پرکنز کے مطابق وہاں ''عقاب'' بھیجے جاتے ہیں۔یہ وہ کمپنیاں اور کارپوریشن ہوتی ہیں جن کی نظر اس ملک کے معدنی وسائل، تیل، لوہا، تانبہ، سونا اوردیگر دھاتوں پر ہوتی ہے۔کچھ وہاں کی زرعی زمینوں پر کارپوریٹ فارمنگ چاہتی ہیں۔یہ عقاب اس قرضے میں جکڑی قوم کے وسائل پر یوں ٹوٹتے ہیں جیسے بھوکے بھیڑیے۔افریقہ اس کی بدترین مثال ہے۔

پرکنز کہتا ہے کہ میں حیران ہوتا تھا کہ ان افریقی ممالک میں جہاں کروڑوں لوگ بھوک سے مر رہے تھے وہاں برگر، پیزا اورعالمی فوڈ ریستوران دھڑا دھڑ کھلتے جارہے ہیں۔ان کو چلانے کیلئے ایک مڈل کلاس بنائی جاتی ہے جس کو کارپوریٹ کلچر مناسب تنخواہ دیتا ہے۔این جی اوز کو فنڈ ملتے ہیں، جن کیلئے مہنگی تعلیمی سہولیات اورمہنگے اسپتال کا علاج ہروقت دستیاب رہتا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جواس انفرااسٹرکچر کی ترقی کواخباروں اورٹیلی ویژن پر اصل ترقی بتاتے ہیں۔ایسے غریب ملکوں میں اگرکوئی ان عقابوں کی بات نہ مانے تو لیڈروں کوموت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔

لیبیا کا قذافی، عراق کا صدام، مصر کا محمد مرسی، چلی کا آلندے، کانگو کا لومبا اور پانامہ کا صدر اس کی مثالیں ہیں۔اس کے ساتھ ان ملکوں کو حقوق کی جنگ کے نام پر قتل وغارت تحفے میں دی جاتی ہے۔صرف سوڈان، روانڈا اور دارفر کی لڑائیوں میں 40لاکھ لوگ مارے گئے۔یوں جہاں دہشتگردوں کا راج ہو وہاں ان سے معاہدہ کرکے معدنیات حاصل کی جاتی ہیں اورجہاں امن ہو وہاں حکومت کو بلیک میل کرکے اپنے مطالبات منوائے جاتے ہیں۔انگولا اس کی بدترین مثال ہے۔اگر لیڈروں کوقتل کرنے سے بھی کام نہ چلے تو پھراس ملک میں فوجیں اتاردی جاتی ہیں۔یہ ہے وہ گھن چکر!اس لیے جب کوئی موٹروے بنتا ہے، ماس ٹرانزٹ اسکیم آتی

ہے، ایئرپورٹ کی توسیع ہوتی ہے تو میں کانپ اٹھتا ہوں۔ 22 کروڑ بھوکے ننگوں کے اس انجام پر جو پہلے ان عیاشیوں کا قرضہ ادا کریں گے اور پھر بدترین غلامی، دہشت اور خوف میں زندگی گزاریں گے۔ یہ ہیں وہ حالات جو بالآخر معاشرہ میں خونی انقلاب کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔☆☆☆

جب ریل کا انجن سٹارٹ ہو!!

ریل کا انجن سٹارٹ ہو، عملہ موجود ہو، مسافر بیٹھے ہوں اور ریل ایک ہی جگہ پر دیر تک رکی رہے تو لوگوں میں بے چینی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے کیونکہ آگے بڑھنے کا عمل رکا ہوتا ہے۔ تحریک انصاف کی حکومت کو آئے تین سال ہو گئے۔ اُن کے سفر کے آغاز کے موقع پر انہی کے ووٹروں میں جو جوش و خروش تھا وہ اب کسی دیہاتی سٹیشن پر دیر تک رکی رہنے والی ریل کی طرح کم ہو چکا ہے۔ وہ ووٹر جو پی ٹی آئی کے لیے چیخ چیخ کر بولتے تھے اب دھیمی آواز میں کہتے ہیں کہ تبدیلی میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ اُن کا اونچی آواز سے کم آواز کی طرف آ جانا پی ٹی آئی سے کچھ قدم دور ہو جانا ہے۔ تحریک انصاف کی قیادت نے اپنے حکومتی سفر کا آغاز جن نعروں سے کیا تھا وہ نعرے دیہاتی سٹیشن پر رکی ریل کے سٹارٹ انجن کی طرح شور تو کر رہے ہیں لیکن انجن ریل کو لے کر آگے نہیں بڑھ رہا۔ انتخابات سے پہلے کی وہ پی ٹی آئی جو آئی ایم ایف سے قرضہ لینے پر خودکشی کو ترجیح دیتی تھی، پھر وہ وقت بھی آیا کہ اُسی پارٹی کے سربراہ عمران خان وزیراعظم بننے کے بعد آئی ایم ایف کے سربراہ سے مل کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ پرانے پاکستانی جو امریکہ اور دوسرے ممالک کی پالیسیوں کی فرمانبرداری سے بیزار تھے، وہ تحریک انصاف کے ہاتھوں انہی ممالک کی خوشامد دیکھ کر سناٹے میں چلے گئے۔ وہ تحریک انصاف جو انتخابی مہم میں حکومت میں آنے کے بعد چند دنوں کے اندر لوٹی ہوئی کھربوں ڈالر کی رقم واپس لانے کا دعویٰ کر رہی تھی، تین سال میں ایک روپیہ بھی واپس نہیں لا سکی۔ وہ تحریک انصاف جو ملک کو شیشے کا محل بنانے کا دعویٰ کر رہی تھی، ٹوٹ جانے والی سڑکوں کی مرمت کے لیے چند ہزار روپے بھی نہیں نکال سکی۔ وہ پارٹی جو حکومت میں آنے کے بعد کرپشن کے تمام دروازے ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی قسم کھاتی تھی، کرپشن کے خلاف اب تک کوئی موثر قانون سازی بھی نہ کر سکی۔ اِن حقائق کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا تحریک انصاف کو صرف مہمانِ خصوصی کی کرسی پر ہی بیٹھنا تھا؟ انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک ہی جگہ رکی ہوئی ریل کے مسافر آہستہ آہستہ بیزار ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر فساد کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ سٹارٹ انجن کا شور مسافروں کو مطمئن نہیں کر سکتا جب تک ریل آگے نہ بڑھے۔ فیض احمد فیض نے لکھا تھا:

جب دکھ کی ندیا میں ہم نے ، جیون کی ناؤ ڈالی تھی
تھا کتنا کس بل بانہوں میں ، لوہو میں کتنی لالی تھی
یوں لگتا تھا دو ہاتھ لگے ، اور ناؤ پورم پار لگی
ایسا نہ ہوا ، ہر دھارے میں کچھ ان دیکھی منجدھاریں تھیں
کچھ مانجھی تھے انجان بہت ، کچھ بے پرکھی پتواریں تھیں
اب جو بھی چاہو چھان کرو، اب جتنے چاہو دوش دھرو
ندیا تو وہی ہے ناؤ وہی، اب تم ہی کہو کیا کرنا ہے

اب کیسے پار اترنا ہے؟

(کالم نگار سید سردار احمد پیرزادہ کے کالم ''عمران خان بتائیں اب کیسے پار اترنا ہے؟'' سے ایک اقتباس)

تہذیب بابل کی مستقل اور یروشلم کی عارضی تباہی

(بقایا حصہ صفحہ ۱۰)

اور خُدا کے گھر کے سب ظرُوف کیا بڑے کیا چھوٹے ارخُداوند کے گھر کے خزانے اور بادشاہ اور اُس کے سرداروں کے خزانے یہ سب وہ بابل کو لے گیا۔ اور اُنہوں نے خُدا کے گھر کو جلا دیا اور یروشلیم کی فصیل ڈھا دی اور اُس کے تمام محل آگ سے جلا دئے اور اُس کے سب قیمتی ظرُوف کو برباد کیا۔ اور جو تلوار سے بچے وہ اُن کو بابل لے گیا اور وہاں وہ اُس کے اور اُس کے بیٹوں کے غلام رہے جب تک فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔'' (تواریخ باب ۲ آیات ۱۱ تا ۲۰)

یروشلم کی تباہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَإِذَا جَآءَ وَعدُ أُولٰهُمَا بَعَثنَا عَلَيكُم عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَاسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعدًا مَّفعُولًا ۔

ترجمہ:''پس جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آپہنچا، ہم نے تمہارے خلاف اپنے ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو سخت جنگجو تھے پس وہ بستیوں کے بیچوں بیچ تباہی مچاتے ہوئے داخل ہوگئے اور یہ پورا ہوکر رہنے والا وعدہ تھا۔'' (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶)

یہودہ سلطنت ساتویں صدی قبل مسیح میں اشوریوں جن کا دارالحکومت نینوا تھا کی مئوکل تھی۔ جب بابلیوں نے ان اشوریوں کا تخت الٹ دیا تو مصر کے فرعون نے یہودیوں کے ساتھ مل کر اسوریوں کے علاقوں پر دریائے فرات تک آگئے مگر بابلیوں نے فرعون نکوہ دوم کو نکال باہر کیا۔ بخت نصر نے یہودیوں کی بغاوت کی بناء پر یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کے دوران یہودی بادشاہ یہوقیم مر گیا۔ اس کے اٹھارہ سالہ بیٹے یہویاقین کو بادشاہ بنا دیا گیا بخت نصر نے یروشلم پر قبضہ کر کے اسے اپنے ساتھ بابل لے گیا لوٹ مار کے بعد یہوقیم کے چچا صدقیاہ کو شاہ بنا دیا۔ گیارہ برس بعد یرمیاہ اور دوسرے بابل کے حامیوں کی طرف سے انتباہ کے باوجود, صدقیاہ نے بابل کے خلاف بغاوت کر دی اور فرعون اپریث کے ساتھ اتحاد کر لیا بخت نصر واپس ہوا اور مصریوں کو شکست دی اور پھر سے یروشلم کا محاصرہ کیا، جس کے نتیجے میں 587 قبل مسیح میں شہر پر قبضہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ بخت نصر نے فصیل شہر، ہیکل سلیمانی اور اہم شہریوں کے گھروں کو تباہ کیا۔ صدقیاہ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور اس کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کیا، خود اسے اندھا کر کے بہت سے دوسروں کے ساتھ بابل لے جایا گیا جہاں وہ مر گیا۔ یہوداہ، ایک بابلی صوبہ بن گیا جسے پھر یہود کہا جانے لگا اور یوں آزاد مملکت یہودہ کا اختتام ہوا ۔ گیدالیہ بابل کی جانب سے سب سے پہلا گورنر مقرر ہوا مگر کچھ عرصہ بعد یہوداہ کے شاہی خاندان کے ایک زندہ بچ جانے والے شہزادے نے گیدالیہ اور اس کے بابلی مشیروں کو قتل کر دیا۔ جس طرح ساتویں صدی قبل مسیح میں بابل اور مَید کے بادشاہوں نے مشترکہ طور پر نینواہ پر حملہ کیا اور ایک طویل محاصرہ کے بعد شہر فتح کر کے پورا شہر نذر آتش کر دیا تھا اور اس قوم کی فوجی قوت اور شان وشوکت کی صف ہمیشہ کے لئے لپیٹ دی تھی اسی طرح بابل والوں نے یہودہ سلطنت کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ جس طرح منگولوں نے بہت بعد میں انسانی سروں کے منار بنائے اور بغداد کو کھنڈر بنا کر عباسیوں کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نے یہودیوں کو بخت نصر سے سزا دلوائی۔ شاید اسی مقصد کے لیے بابلیوں کو اور منگولوں کو قوت عطا کی گئی تھی۔

بابل نے جب آخری موت کی ہچکی لی اس وقت بھی حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام اور دو دیگر نبی موجود تھے۔ ستر برس تک یہودیوں نے بابلی مظالم کو برداشت کیا۔ انبیاء کرام کی دعاؤں کی بدولت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی گئی کہ وہ نسل جس نے گناہ کیا تھا وہ تو ہلاک ہوچکی اب ہم ان کی خبر گیری کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ'' ہاروت و ماروت نے انبیاء کرام کی معرفت ایسی باتیں رازداری کی تلقین کے ساتھ بابلی امراء کو بتائیں جن میں بابل کے بادشاہ کی ہلاکت کا اور اس کی سلطنت مٹ جانے کا ذکر ہوتا۔ اور انہیں میدہ فارس کے بادشاہوں سے تعلق پیدا کرنے کے لیے کہا جاتا۔''

(یرمیاہ باب ۳۵ میں ایرانی بادشاہ سے تعلق قائم کرنے کی تفصیل موجود ہے)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی یہودیوں نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا تھا۔ گورنر یمن کے حکم پر جو دو ایلچی آپ ﷺ کو گرفتار کرنے آئے تھے تیسرے دن ان سے آپ ﷺ نے یہ تاریخی فقرہ کہا کہ'' دیکھو! اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ میرے خدا نے آج رات تمہارے خداوند کو مار دیا ہے۔'' یہودی بھول گئے تھے بابل کی تباہی انبیاء کرام کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے کروائی تھی۔ بائبل کے

مطابق آئرس اعظم نجات دہندہ کے طور حملہ آور ہوا تھا۔

جی ہاں یہ 539 ق م ہی وہ سال ہے جس میں ہزاروں برس پرانی تہذیب کو دفن کر دیا گیا۔ جس تہذیب نے دنیا کو علم و ہنر کی بنیاد فراہم کی، جس تہذیب نے پہلا باضابطہ تحریری آئین دیا، مصر کے فرعونوں، آشوریوں، یہودیوں اور دیگر اقوام کو دھول چٹائی تھی بالآخر خورس شاہ فارس نے اس تہذیب کا کچومر نکال دیا بابلیوں کو بدترین شکست سے دوچار کر دیا۔ اور بابل کو اس طرح تباہ کیا گیا کہ اس کی عظمت اور شان و شوکت زمین بوس ہوگئی۔ بابلی سمجھتے تھے کہ بلند و بالا، چوڑی مضبوط فصیل شہر ناقابل تسخیر ہے مگر فارسی بادشاہ آئرس اعظم شاہ خورش یا کورش نے اس دیوار کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ''ملکوں کی ملکہ'' کی عظمت و عصمت کو تار تار کر دیا۔ یرمیاہ نبی کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ ''ربُّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ بابل کی چوڑی فصیل بالکل گرادی جائیگی اور اُسکے بلند پھاٹک آگ سے جلا دئے جائینگے۔'' (یرمیاہ باب ۵۱ آیت ۵۸) مندروں محلوں کو لوٹ کر توڑ پھوڑ دیا گیا، باغات، سرسبز و شاداب کھیتیاں اجاڑ دی گئیں، فلک بوس عمارتیں زمین بوس ہوگئیں، ہر شے جلا دی گئی، دریائے فرات جس کا پانی بابل کو سیراب کرتا تھا متعفن ہو کر زہر بن گیا۔ یرمیاہ نبی نے سچ کہا تھا کہ ''قوموں میں اِعلان کرو اور اِشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو۔ منادی کرو۔ پوشیدہ نہ رکھو۔ کہدو کہ بابل لے لیا گیا۔ بیل رُسوا ہُوا۔ مرودک سراسیمہ ہوگیا۔ اُسکے بُت خجل ہُوئے۔ اس کی مُورتیں توڑی گئیں۔ کیونکہ شمال سے ایک قوم اُس پر چڑھی چلی آتی ہے جو اُسکی سرزمین کو اُجاڑ دیگی یہاں تک کہ اُس میں کوئی نہ رہیگا۔ وہ بھاگ نکلے۔ وہ چل دیئے کیا اِنسان کیا حیوان۔''

(یرمیاہ باب ۵۰ آیت ۲،۳)

۳۳۱ ق م میں جب سکندر اعظم نے بابل کا علاقہ فتح کیا تو اس نے ارادہ کیا کہ بعل کا مندر مرمت کیا جائے، مگر اس مندر کا ملبہ اٹھانے کے لیے بھی دس ہزار مزدوروں کو دو ماہ درکار تھے، گو سکندر زندہ نہ رہنے کی وجہ سے اسے مرمت نہ کروا سکا مگر یقیناً اگر زندہ بھی رہتا تو بھی بابل کی ایک دیوار بھی کھڑی نہ کر پاتا وہ اس لیے کہ الٰہی نوشتے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اور پھر فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ سکندر اعظم نے (333 ق م) میں عراق، شام اور مصر تک پھیلی ہوئی سلطنت فارس کو بری طرح روند ڈالا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ تہذیبیں کیوں اور کب مرتی ہیں سبط حسن اپنی کتاب ''ماضی کے مزار'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

''تہذیبوں پر جب بڑھاپا آتا ہے تو مر جاتی ہیں۔ کوئی بھی تہذیب جب تک معاشرے کے اعمال و تحقیقات اور افکار و عقائد میں جب تک اجتہاد کی قوت اور ردوبدل کی صلاحیت باقی رہتی ہے تہذیب کا پودا بھی پھولتا پھلتا رہتا ہے لیکن معاشرہ جب روایتوں کا یکسر غلام ہو جاتا ہے اور اوامر و نواہی کی بندشوں میں اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے اور نئے خیالات اور تجربات سے گریز اختیار کرتا ہے تو پھر معاشرہ اور اس کی تہذیب دونوں جمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں ترقی کی یا دوسری تہذیبوں کے مقابلے کی طاقت نہیں رہ جاتی۔ (تین ہزار سالہ) بابلی تہذیب کا بھی یہی حشر ہوا۔''

جناب سبط حسن نے درست لکھا ہے، شاید ان کے نزدیک یہ بتانا خلاف مصلحت تھا کہ ''انبیاء کرام کی تعلیمات سے انحراف ہی معاشروں اور تہذیبوں سے اعمال و تحقیقات اور افکار و عقائد میں اجتہاد کی قوت اور ردوبدل کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے خدا کو بھول کر کوئی بھی تہذیب مادی ترقی جتنی بھی کر لے تباہ ہو کر رہتی ہے۔''

سچ یہ بھی ہے کہ تہذیبوں کو کوئی اور نہیں مارتا وہ اپنی کرتوتوں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں، کسی تہذیب کی موت اچانک نہیں ہوتی بلکہ لمبا عرصہ کی معذوری کے بعد موت ہوتی ہے۔ حالت پیری میں جس طرح بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح تہذیبوں کے دور معذوری میں انہیں بھی وباؤں، قحطوں، موسمیاتی تبدیلیوں، بھونچالوں، سیلابوں وغیرہ کا صدمہ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

موجودہ دور میں بھی تہذیبوں کی جنگ نے انسانوں کی اکثریت کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے، ایک وہ سائنس و ٹیکنالوجی کے گھوڑے پر سوار ہوا ایک خدا کے انکاری ہیں اور دوسرے وہ جو جہالت کی کشتی پر سوار ہیں ایک خدا کو مانتے ہیں مگر خدا کی نہیں مانتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روحانی خلا وسیع سے وسیع تر ہونے کے نتیجے میں فطرت صحیحہ پر پیدا ہونے والے انسانوں کی روحانی پیاس بڑھ رہی ہے۔ جو تہذیبیں فسق و فجور میں بڑھتی چلی جاتی ہیں آخر کار تباہ ہو جاتی ہیں۔

مشہور تاریخ دان Arnold Toynbee نے تیس برس کی تحقیقات کے بعد اٹھائیس تہذیبوں کے عروج و زوال کی داستان بارہ جلدوں میں Civilization On Trial کے نام سے بیان کی ہے۔ اس نے ان میں

ثابت کیا ہے کہ روحانیت سے پیدل دو تہذیبوں کے آپس میں ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک نئی تہذیب جنم لیتی ہے۔Arnold Toynbee صاف کہتا ہے کہ دو تہذیبوں کے آپس میں ٹکراؤ کے نتیجے میں جو روحانی خلا پیدا ہوتا ہے اسے نبی کی الٰہی جماعت پر کرتی ہے،اس دور میں جب کہ دو تہذیبیں برسر پیکار ہیں وہ جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے کہ عیسائیت، یہودیت اور دیگر مذاہب سوائے اسلام کے کسی پاس ایسی جماعت نہیں ہے جو اس خلا کو پر کر سکے۔اسلام میں بھی اسے صرف دو جماعتیں ایسی لگیں جو اس خلا کو پر کر سکتی ہیں اور وہ ہیں بہائی اور لاہوری احمدی۔

☆☆☆

''رسم ورواج''

دنیا کے رسم ورواج صدیوں کے تجربات سے معرض وجود میں آئے ہیں تبھی لوگ اس کو مانتے ہیں۔مشہور ہے کہ لڑکی مجبور ہوتی ہے اور بقول شاعر

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر دو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کر لو

نہ جانے ہماری محبت میں روایات کیوں بدلیں۔

مجھ کو کہا گیا کہ اس کے خیال چھوڑ دو۔یہ بات ممکن نہ تھی مگر اتنی سکت کہاں کہ بغاوت کر دوں۔روایت ہے کہ رشتہ لڑکے کی طرف سے جاتا ہے،ایسا ہی ہوا اور جب کسی اور طرف سے اس کا رشتہ آیا، وہ تو پھر لڑکی تھی، بغاوت کی ہمت نہ ہوئی اور ہوتی بھی کس کے لیے؟

وقت گزرتا رہا۔وہ اپنے کمال کے ساتھ کہیں کھو گئی اور میں اپنی کرن کے ساتھ زندگی کی بہاریں دیکھتا رہا۔

وقت ظالم ہے۔ایک محفل میں اچانک اس سے ملاقات ہوگئی۔ماضی کے لمحے یاد آ گئے۔پھر بہانے بہانے میں بھی ان محفلوں میں جانے لگا جہاں وہ بھی متوقع ہوتی۔ملاقات بھری محفل میں ہوتی، باتیں عام ہوتیں، وہ کمال کے ساتھ ہوتی اور میرے قریب کرن ہوتی۔نہ کمال جانتا تھا نہ کرن کو خبر تھی کہ ہمارا ماضی کیا تھا۔محفل میں جو بات بھی ہوتی وہ عام ہوتی۔نہ میرے الفاظ میں کوئی ماضی کی جھلک ہوتی نہ اس کی بات میں کوئی شکوہ نظر آتا۔یہ الگ بات کہ جب کبھی اردگرد کوئی نہ ہوتا، نگاہیں مل کر کچھ شکوے شکایت کرتیں،

ہمارے الفاظ بدل جاتے، ہمارے انداز بدل جاتے۔

وقت گزرتا رہا۔پھر کبھی محفلوں میں کمال نہ آتا وہ اکیلی آتی اور کبھی میں بھی کرن کے بغیر ہوتا۔ایسے میں ہمارے درمیان ہمارا ماضی ضرور ہوتا۔

قسمت نے ایک دفعہ پھر دور کرنے کی ٹھانی۔مجھے بہت دور سات سمندر پار جانا پڑا۔ہمت کر کے ایک بار محفل سے دور دونوں مل بیٹھے۔ہم ماضی کے اس دور میں چلے گئے جب

ہمارے بھی کچھ ارمان تھے۔

نہ جانے کیوں میں پوچھ بیٹھا کہ اگر ماضی لوٹ آئے کیا وہ پھر سے کمال کو قبول کر لے گی؟''کبھی نہیں'' یک دم جواب ملا اور وہ آنکھیں ملائے بغیر چلی گئی۔ایک بار پھر روائیت جیت گئی۔آخر روائیت یہی سکھاتی ہے کہ شادی کے بندھن کو نبھانا ہے۔میں بھی لوٹا اس روائیت کو نبھانے۔میں سوچتا رہا کہ اگر وہ پوچھ لیتی کہ کیا میں بھی دوبارہ ماں

باپ کی بات مان لیتا؟ تو کیا جواب دیتا؟

روائیت شائد ایک دفعہ پھر جیت جاتی

(پچاس لفظوں کی کہانی۔مرسلہ: ڈاکٹر داؤد طاہر)

بیچارے عوام جانتے ہیں لیکن یقین نہیں کرتے !!

کالم نگار: سید سردار احمد پیرزادہ۔ پاکستان

ہم بیچارے عوام بہت ہی سادہ ہیں اور ہر مرتبہ ایک ہی سوراخ سے ڈسے جاتے ہیں۔ وہ ایسے کہ اگر حکومت وقت نااہل ثابت ہو اور عوام کی نظروں میں ناپسندیدہ ہو جائے تو اس مصیبت سے نجات کے لیے اپوزیشن سے توقعات لگالی جاتی ہیں۔ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اس لیے انہیں یاد نہیں رہتا کہ چوہے بلی کا یہ کھیل گزشتہ 73 برس سے ایک ہی سکرپٹ کے تحت ایک ہی طرح کھیلا جارہا ہے۔ حقیقت میں یہ چوہے بلی کی اصلی بھاگ دوڑ نہیں بلکہ ٹام اینڈ جیری کا کھیل ہے۔ اس کھیل میں حکومت، اپوزیشن اور عوام تینوں میں سے کوئی بھی کھیل کا منیجر نہیں ہے اور یہ بھی کہ ان تینوں فریقوں میں سے کوئی بھی اِس کھیل کے قواعد وضوابط بناتا ہے نہ ہی ان میں کوئی ترمیم لاسکتا ہے۔ البتہ حکومت، اپوزیشن اور عوام کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ حکومت اور اپوزیشن جانتے ہیں اور یقین بھی کرتے ہیں کہ وہ اِس کھیل کے منیجر نہیں ہیں جبکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ وہ اِس کھیل کے منیجر نہیں ہیں لیکن یقین نہیں کرتے۔ اسی لیے ایسے عوام کو سادہ اور بیچارے عوام لکھنا پڑتا ہے۔ اِس مرتبہ بھی اس پرانے کھیل کے نئے سیزن میں دکھائی جانے والی تازہ قسطوں میں بھی بالکل پہلے کی طرح ہی چل رہا ہے اور بیچارے عوام مبینہ نااہل اور ناپسندیدہ حکومت سے نجات کے لیے اپوزیشن سے ہی توقعات لگائے بیٹھے ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو حالیہ بڑی سیاسی خبروں کا ہی جائزہ لے لیتے ہیں۔ جب پی ٹی آئی کے پیٹ کے اندر جہانگیر ترین گروپ نے اپنی زندگی کی علامتیں ظاہر کیں اور کچھ ہاتھ پیر چلائے تو پی ٹی آئی کے اِس بڑھے ہوئے پیٹ کو دیکھ کر سیاسی دائیوں کے درمیان کھسر پھسر شروع ہوگئی۔ سیاسی دائیوں کی سب سے پہلی اور اہم ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ وہ حکومت کے کسی بھی منفی واقعے کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں اور عوام کے حکومت مخالف جذبات پر تیل ڈالیں۔ اس طرح وہ سیاسی دائیاں جو بے کاری کے باعث سرکاری وظیفے پر محض زندہ ہوتی ہیں، عوام کے ایکسپلائٹ ہونے سے اُن کا رزق وافر ہو جاتا ہے۔ جہانگیر ترین گروپ کی گڈ نیوز اور اپوزیشن کی ڈھولک سے عوام امید سے ہوگئے کہ پی ٹی آئی کی حکومت اب گئی کہ تب گئی۔

عوام جانتے بھی ہیں کہ جہانگیر ترین گروپ کیوں، کیسے، کس لیے وجود میں آیا اور اِسے آگے پیچھے کون کر رہا ہے لیکن پھر بھی بیچارے عوام یقین کر بیٹھے کہ عمران خان کی حکومت جاتے ہی ان کے تمام مسائل حل ہونے ہی والے ہیں۔ عوام جانتے ہیں کہ پی ٹی آئی کے اندر جہانگیر ترین کے لیے مخالف حالات پیدا کرنے میں شاہ محمود قریشی کا بڑا ہاتھ ہے لیکن عوام شاید یہ نہیں جانتے کہ شاہ محمود قریشی کا سہارا صرف ملتان کی پیری مریدی والی گدی نہیں ہے بلکہ اُن کی بلندی کی اصل وجہ وہ مضبوط انٹرنیشنل مینار ہے جس پر وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور اِس کی مضبوطی کو مقامی سطح پر چیلنج کرنا فی الحال آسان کام نہیں ہے۔ ایک اور حکومت مخالف سیاسی سرگرمی کی مثال لیتے ہیں جس کے معرض وجود میں آتے ہی بیچارے عوام توقعات لگا بیٹھے کہ اب تو ان کی ضرور سنی جائے گی اور چند ہفتوں میں ہی ان کے ابتر حالات کا انتقام پی ٹی آئی حکومت سے لے لیا جائے گا۔ یہ بات پچھلے سال ستمبر اکتوبر کی ہے جب حکومت مخالف اپوزیشن اتحاد پی ڈی ایم قائم ہوا۔ جتنی تیزی اور منظّم طریقے سے یہ اتحاد قائم ہوا تھا اُس کا تجزیہ کرتے ہی پتا کر لینا آسان تھا کہ مختلف نظریات اور مختلف سمتوں کو چلنے والی سیاسی جماعتیں اتنی جلدی اور اتنے منظّم طریقے سے کیسے ایک پیج پر آگئیں۔ بیچارے عوام نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی پی ڈی ایم کے خلوص پر یقین کر لیا۔ دوسری طرف ایک پیج پر موجود پی ڈی ایم کے شدید باہمی مخالف رہنما جگہ جگہ اکٹھے جلسے جلوس کرنے لگے۔ اِن جلسے جلوسوں کی تقریروں میں دلچسپ اور قابل غور بات یہ تھی کہ پی ڈی ایم کے یہ شدید باہمی مخالف رہنما پی ڈی ایم کے پلیٹ فارم سے اپنے اپنے سیاسی ایجنڈے کو بڑھاوا دے رہے تھے۔ پی ڈی ایم کے یہ شدید باہمی مخالف رہنما اچھی طرح

جانتے تھے کہ جس طرح وہ اپنے اپنے سیاسی ایجنڈے کے لیے پی ڈی ایم کا پلیٹ فارم استعمال کررہے ہیں اُس سے اِس اتحاد کے قیام کا پی ٹی آئی حکومت سے چھٹکارے والا ایک نکاتی ایجنڈہ کمزور پڑجائے گا لیکن عوام بیچارے نہیں جانتے تھے اور انہوں نے سرد موسم کے دوران منفی ٹمپریچر میں بھی پی ڈی ایم کے جلسوں کو کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ پی ڈی ایم بنانے کا آئیڈیا دینے والوں نے پی ڈی ایم کے جھنڈے کو اتنے لمبے ڈنڈے پر چڑھا دیا کہ وہ خلاء میں جا پہنچا جہاں اُس سے عوام دور اور خلائی مخلوق قریب ہوگئی۔ چلئے ایک اور مثال لیتے ہیں۔ شہباز شریف سخت گیر منتظم اور رعب دار ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ چیف منسٹری کے دوران منصوبوں پر عمل کروانے کے لیے ان کی آواز اونچی اور گرجدار ہوتی ہے لیکن مبینہ خاندانی منصوبہ بندی کے ایشوز کو حل کرانے کے لیے ان کی آواز آہستہ اور پوشیدہ ہوجاتی ہے۔ اکثر عوام شہباز شریف کی جیل سے سابقہ اور موجودہ رہائی کے بارے میں یہی کہتے ہیں لیکن پھر بھی بیچارے عوام یقین کرگئے کہ شہباز شریف کی رہائی کے بعد ان کے مسائل حل ہوجائیں گے۔ یہاں ایک لوفر سوال ہے کہ کیا شہباز شریف جیسے مبینہ بیک ڈور تعلقات رکھنے والے خرانٹ سیاست دان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انہیں ایئرپورٹ پر روک لیا جائے گا؟ کیا ایئرپورٹ پر روکے جانے کا سکرپٹ ان کی مظلومیت کو ابھارنے کے لیے لکھا گیا تھا؟ دوسری طرف سکرپٹ رائٹرز نے حکومت کو بھی خوش کردیا کہ وہ اتنی مضبوط ہے کہ مقبول ترین اپوزیشن لیڈر کو باہر جانے سے روک دے اور وہ اپوزیشن لیڈر اِس کارروائی پر عوام کو سڑکوں پر بھی نہ لاسکے۔ وہ شہباز شریف جو عوام کی لوٹی ہوئی رقم ہڑپ کرنے والے مخالف سیاست دانوں کا پیٹ چاک کرکے کھا جانے والی رقم برآمد کرنے کا اعلان کرتے تھے وہی شہباز شریف اب پی ڈی ایم کے شدید باہمی مخالفین کو کھانے کھلا رہے ہیں۔ عوام جانتے ہیں کہ حکومت، اپوزیشن اور عوام سیاست کے اصل پلّر نہیں ہیں لیکن پھر بھی یقین نہیں کرتے۔ اسی لیے بیچارے عوام مبینہ نااہل اور ناپسندیدہ حکومت سے نجات کے لیے اپوزیشن سے توقعات لگا لیتے ہیں۔

☆☆☆

[A dark horse is often the winner]

Indeed, under the impact of the West, the great deeps of Islam are already stirring, and even in these early days we can discern certain spiritual movements which might conceivably become the embroys of new higher religions. The Bahai and Ahmady movements, which, from Acre anf Lahore, have to begun to send out their missionarise to Europe and America, will occur to the contamporary Westren obsrvor,s mind but at this point of prognostication we have reached our Pillars of Hercules, where the prudent investigator stays his course and refrains from attempting to sail out in to an ocean of future time in which he can take no more than the most general bearings. While we can speculate with profit on the general shape of things to come, we can foresee the precise shadows of particula coming events only a very short way ahead, and those historical preceedents which we have taken as our guiding lights inform us that the religions which are generated when civilisations clash take many centuries to grow to maturity and that, in a race that is so long drown out, a dark horse is often the winner.[Civilization-On-Trial by Arnold J. Toenbee . page 204..publish 1948]

یونان میں دس روز (سفر نامہ)

(زکریا ورک۔ٹورنٹو کینیڈا)

مئی 2022ء میں راقم کو یونان کی سیر و سیاحت کا موقعہ نصیب ہوا۔ ہمارے دس روز یونان کی راجدھانی ایتھنز میں ہی گزرے۔ٹورنٹو سے ائرکینیڈا کی ایتھنز تک فلائٹ ساڑھے نو گھنٹے کی تھی۔ یہ سفر اس لحاظ سے مشکل اور تکلیف دہ تھا کہ سفر شام کے وقت شروع ہوا اور ساری رات جہاز کی سیٹ میں بیٹھ کر اونگھتے ہوئے گزارنا پڑی۔اگرچہ جہاز 777 اور بہت بڑا تھا جس میں پانچ سو سے زیادہ لوگ سفر کر رہے تھے مگر جب رات بستر میں گزارنے کی عادت ہو تو سیٹ میں بیٹھ کر نیند کے بغیر گزارنا کٹھن تھا۔

ایتھنز کے ائرپورٹ سے ٹیکسی کا کرایہ ڈاؤن ٹاؤن ایتھنز ہمارے ہوٹل تک پینتیس یورو تھا۔ہوٹل میں ہمارے کمرے میں ہر آسائش موجود تھی۔گراؤنڈ فلور پر ریستوران میں آسانی سے کھانا کھایا جا سکتا تھا۔ہوٹل کی لابی میں کلرک ہر وقت موجود رہتا اور کسی بھی چیز کی ضرورت ہو وہ ہر وقت حاضر ہوتا تھا۔اس لحاظ سے سکیورٹی کا بھی اچھا انتظام تھا۔کینیڈا سے روانگی سے قبل راقم نے یونان کے متعلق کتابوں کا مطالعہ کر لیا تھا اور فہرست بنالی تھی کہ ہم نے کون کون سے تاریخی مقامات کی سیاحت کرنی ہے۔

ایکروپولس Acropolis:ایکروپولس ایتھنز کی سب سے مشہور اور تفریح والی جگہ ہے۔کووڈ 19 کے شروع ہونے سے پہلے ایک سال میں یہاں تین سے چار ملین سیاح آئے تھے۔ایکرو کے معنی ہیں سب سے اونچا مقام اور پولس کے معنی ہیں شہر، یعنی شہر کا سب سے اونچا مقام۔ واقعی یہ اونچا دفاعی مقام ہے کیونکہ یہ پہاڑیوں کے اوپر واقع ہے۔ یہاں متعدد حیران کن قابل دید عہد کہن کے مندر اور مقامات ہیں جیسے the Parthenon, the Propylaea, the Erechtheion and the Temple of Athena Nike۔

ہم ہوٹل سے ٹیکسی لے کر یہاں پہنچ گئے۔داخلہ ٹکٹ دس یورو تھا مگر ایک سے زیادہ شہر کے مقامات دیکھنے ہوں تو اس کی شرح تیس یورو تھی۔ہم نے تیس یورو کی ٹکٹ خرید لی۔داخل ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ لوگ ایک پہاڑی پر چڑھ کر گھوم پھر رہے ہیں۔میں نے پولیس آفیسر سے پوچھا کہ اس کی کیا اہمیت ہے؟ اس نے بتایا کہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل ایتھنز کی سپریم کورٹ کے اجلاس یہاں ہوتے تھے جس میں ایک جج اور شہری مل کر ملزم یا قیدی کا مقدمہ سن کر فیصلہ سناتے تھے۔گویا جیوری سسٹم یا جمہوریت کی ابتدا یہاں سے ہوئی تھی۔

پہاڑ کے اوپر تک جانے کیلئے آرام دہ ہموار راستہ اور بعض جگہ سیڑھیاں تراشی گئی ہیں۔ نیچے سے دیکھیں سے تو لگتا کہ اوپر تک پیدل جانا مشکل ہوگا مگر جب چڑھنا شروع کیا تو آسان لگا۔اوپر جانے سے قبل دائیں طرف دیکھا تو ایک پتھر سے بنا رومن تھیٹر نظر آیا۔اس کی تعمیر 161 بعد مسیح مکمل ہوئی اور تعمیر نو 1950 میں ہوئی تھی۔اس کا نام اس کے معمار کے نام پر Odeon of Herodes Atticus ہے۔یہاں میوزک کنسرٹ ہوا کرتے تھے جس میں پانچ ہزار افراد بیٹھ سکتے تھے۔آج کل یہاں ایتھنز فیسٹیول منعقد ہوتا ہے جو مئی سے اکتوبر تک جاری رہتا ہے۔بلندی سے دیکھیں تو نیچے کی طرف جاتا اینٹوں سے بنا تھیٹر بہت ہی دلکش نظر آتا ہے۔

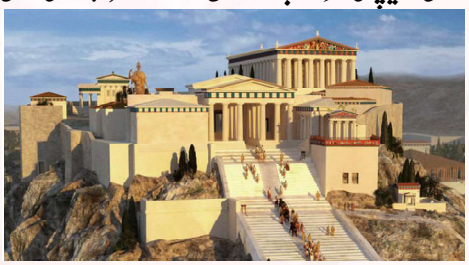

جس مندر یا یونانیوں کی پرانی عبادت گاہ کے آثار قدیمہ سے ہم سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ پارتھنان تھا۔اس کی تعمیر 447 قبل مسیح میں شروع ہوئی اور 432 ق م میں اس کو کھول دیا گیا تھا۔ یہ Athena دیوی کیلئے تعمیر کیا گیا تھا جو عقل و دانش، آرٹس اور لٹریچر اور جنگ کی علامت جانی جاتی تھی۔ اسی سے ایتھنز کا نام مشتق ہے۔اس کے چاروں طرف اونچے ستون ہیں جن کی اونچائی ۱۴ میٹر ہے۔قدیم دور میں یہ عمارت ایتھنز شہر کی ریاست کی مذہبی لائف کا مرکز تھی نیز ایتھنز کی طاقت، دولت اور ہائی کلچر کا مظہر۔اس مندر کی تعمیر میں تیرہ ہزار چار سو بڑے بڑے وزنی پتھر استعمال ہوئے جن کی قیمت آج کے دور میں سات ملین امریکن ڈالر بنتی ہے۔اس کے اردگرد کے ستونوں کی تعداد 46 اور اس

کے اندر 19 ستون ہیں۔ یہ تمام ستون جس بنیاد پر کھڑے ہیں وہ 23,000 sq foot ہے۔ عمارت کے چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔ کونے والے ستون ڈایا میٹر میں بڑے بہ نسبت دوسرے ستونوں کے۔ پارتھے نان کسی سیدھی لکیر پر تعمیر نہیں اور نہ ہی اس میں رائٹ اینگلز ہیں جو کہ گریک فن تعمیر کا کارنامہ ہے۔

پرانے زمانے میں پارتھے نان کے اندر ایک درگاہ تھی جس میں ایتھنا Athena کا مجسمہ رکھا ہوتا تھا جس کا نام Athena Parthenos تھا جس کو Phidias نے لکڑی سے تراشہ تھا۔ یہ اب موجود نہیں مگر کہا جاتا ہے کہ یہ 39 فٹ اونچا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں یونانی دیوی Nike کا چھ فٹ کا مجسمہ ہوتا تھا۔

چھٹی صدی میں جب بازنطینی حکومت نے یونان پر قبضہ کرلیا تو پارتھے نان کو کرسچین چرچ میں تبدیل کر دیا گیا۔ جب سلطنت عثمانیہ نے پندرھویں صدی میں یونان پر قبضہ کرلیا تو 1458 میں اس کو مسجد بنا دیا گیا مگر بہت ساری کرسچین پینٹنگز اور دوسری مقدس چیزوں کو جوں کا توں ہی رہنے دیا گیا۔ ترک عثمانیوں نے 1687 میں یورپ کے نصرانیوں کے حملہ کے پیش نظر اس کو ایمونیشن ڈپو اور شیلٹر میں تبدیل کر دیا۔ دشمن نے اس پر توپوں سے گولے برسائے تو بارود کو آگ لگ گئی اور عمارت کو نقصان پہنچا۔ جس طرح ہندوستان برطانیہ کی کالونی رہا تھا اسی طرح یونان ترکی کی 400 سال تک کالونی رہا۔ آخر کار 1821 میں یونانیوں نے آزادی کی جنگ شروع کیجو 1829 تک جاری رہی۔ اس دوران پارتھے نان کار زار جنگ بن گیا۔ ٹرکش آرمی سینکڑوں ماربل بلاکس پارتھے نان سے اٹھا کر لے گئی 1834 میں یہ یونان کی حکومت کے زیر انتظام آ گیا۔ پچھلے کئی سالوں سے یہاں ریسٹوریشن کا کام ہو رہا ہے۔ یہاں سے ایکروپولس میوزیم زیادہ دور نہیں ہے جہاں پرانے نوادرات محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہاں کے sculptures دیکھنے کے قابل ہیں۔ میوزیم کا افتتاح 2009 میں ہوا تھا۔ گزشتہ دس سال میں 4.5 ملین وزیٹرز یہاں آ چکے ہیں۔

نائیکی کا مندر Temple of Athena Nike: یہ مندر دو یونانی دیویوں یعنی ایتھنا اور نائیکی کے ناموں سے منسوب ہے۔ اس کی تعمیر ۴۲۰ قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ مندر ایکروپولس کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے قریب بڑی انگلش اور یونانی مین تختی نصب ہے جہاں اس کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ایکروپولس پر واقع مندروں میں سے یہ سب سے چھوٹا مندر تھا۔ اس کی ڈائی منشن کچھ یوں تھیں۔ 27 فٹ لمبا، 19 فٹ چوڑا، اور 23 فٹ اونچا۔ یونانی میتھالوجی میں نائیکی کے معنی فتح و نصرت کی دیوی ہے۔ مندر کے اندر ایتھنا نائیکی کا مجسمہ ہوتا تھا۔ سوائے خاتون پادریوں کے کسی اور کو مندر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ عوام باہر ہی عبادت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ عثمانی ترکوں کے کانسٹینٹی نوپل پر 1453 میں قبضہ کرنے سے قبل یونان 'بازنطینی حکومت کے زیر انتظام تھا۔ 1686 میں ترکوں نے اس مندر کو مسمار کر دیا تا اس کے پتھروں سے دفاعی حصار بنایا جا سکے۔ یونان کی آزادی کے بعد 1830ء میں اس کو دوبارہ تعمیر کیا

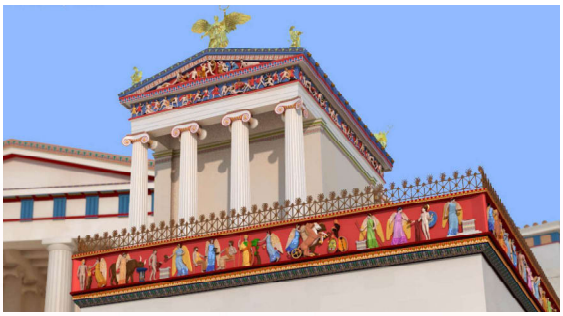

گیا۔ 1930 میں مندر کو دوبارہ تعمیر کی گئی۔ کچھ سال قبل عمارت کے پائیدار نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تعمیراتی کاموں کے سپیشلسٹوں کی رائے پر اس کے حصے بخرے کر دئے گئے۔ ہر حصے کا مطالعہ کیا گیا اور جہاں مرمت کی ضرورت تھی وہاں کام کیا گیا۔ آخر کار مندر کی ساری عمارت کو reassemable یعنی اوریجنل سنگ مرمر کے پتھروں سے جوڑا گیا، جہاں نیا سیمنٹ لگایا گیا تھا وہ اب دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وقت یہ مندر اور ارد گرد کا علاقہ سیاحوں کیلئے بند ہے۔ چار گھنٹے پیدل چلنے اور مختلف مقامات کو دیکھنے کے بعد تھکاوٹ کے آثار نمودار ہو رہے تھے اس لئے ہوٹل واپس چلے گئے۔

ایتھنز کی کلاسیکل مارکیٹ Agora of Athens: یونانی زبان میں ایگورا کا مطلب لوگوں کے جمع ہونے کیلئے کھلی فضا والی جگہہ کے ہے۔ عام طور پر یہ شہریوں کے لئے ایسی جگہہ ہوتی تھی جہاں وہ اعلانات سن سکتے، ملٹری مہموں کیلئے جمع ہوتے، یا پھر سیاست پر بحث و تمحیص کر سکتے تھے۔ بعد میں یہ اوپن ائیر مارکیٹ کی جگہہ کہلانے لگا۔ ایگورا ہی وہ جگہہ ہے جہاں سقراط نے ایتھنز کے عوام سے سوالات کئے تھے۔ اور یہی وہ جگہہ ہے جہاں نوجوان پلے رائٹ آرسٹاکلز (Aristocles) نے سقراط کی تقریر پہلی بار سن کر اپنے

ڈراموں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے افلاطون Plato کے نام سے گریک فلاسفی کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ ایگورا ہی وہ جگہہ ہے جہاں فلاسفر سقراط (470-399 BC) کا مقدمہ چلا، اس پر فرد جرم عائد کی گئی کہ وہ بے حرمتی Impiety کا مرتکب ہوا ہے یعنی اس نے ایتھنز کے خداؤں کو تسلیم نہیں کیا ،نوجوانوں کو گمراہ کیا ہے اور سٹی سٹیٹ کے مذہب کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ نئے بتوں سے متعارف کیا ہے۔شہریوں کی اکثریت نے ووٹ کے ذریعہ فیصلہ سنایا کہ اس کی سزا موت ہے اور اس کو زبردستی زہر beverage of hemlock پینے پر مجبور کیا گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔اس کا مشہور زمانہ شاگرد افلاطون Plato تھا۔

ایکرا پولس کے شمال مغرب کی طرف پہاڑ سے نیچے دیکھیں تو ایتھنز کی قدیم مارکیٹ کی عمارت نظر آتی ہے جو مستطیل شکل میں ہے۔اس عمارت کے بھی پارتھے نان سے ملتے جلتے سنگ مرمر کے ستون ہیں۔قدیم دور میں یہ مارکیٹ تھی نیز یہاں عوام الناس جمع ہوتے اور اجلاس منعقد کیا کرتے تھے۔ یہ ایگورا چھٹی صدی قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔اس کے ارد گرد ہموار زمین پر انتظامی اور عدالتی پبلک بلڈنگس اور ورک شاپس،تقریر و مباحث کیلئے جگہہ،اور مندر بنائی گئیں تھیں۔اس کی لوکیشن بہت اہم تھی ،یہ علاقہ شہر کے مرکز (ڈاؤن ٹاؤن یا ٹاؤن سینٹر) اور زرعی زمینوں اور کھیتوں سے فصل لانے کیلئے بھی بہت قریب تھا۔اس عرصہ میں ایگورا کے کلچرل، پولیٹیکل ،اور اکنامک انفلوئنس نے آنیوالے دور جس کو ہم ویسٹرن سولائزیشن کہتے ہیں گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ دانشور یہاں سقراط اور افلاطون ، ارسطو کے نظریات پر بحث مباحثہ کرتے ، عدالتوں اور قید خانوں نے ایتھنز کے قوانین کو لاگو کیا بلکہ یہاں کے سکہ ڈراخما کو ایجن سمندر کے سارے علاقے میں قبول کیا جاتا تھا۔ایتھنز کے شہری سال میں ایک دفعہ Panathenaic festival کا جلوس نکالتے جو ایگورا سے چل کر ایکروپولس پر ختم ہوتا تھا۔

ایرانی بادشاہ Xerxes کے ایتھنز پر 480 BCE میں حملہ کے دوران ایگورا کے مغرب میں واقع تمام عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔مگر اس کے جلد بعد تمام علاقے کی عمارتیں دوبارہ تعمیر کی گئیں۔ڈھائی ہزار سال میں اس کی عمارتیں کئی بار تعمیر ہو کر مسمار ہوئیں۔

آج کل عمارت کے اندر شاندار میوزیم ہے جس میں سات سے پانچ صدی قبل مسیح، یونانی، نیز بازنطینی دور اور ترکش دور حکومت کے مٹی کے برتن (پاٹری) اور دیگر نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔ ہر چیز کانچ کے شوکیسز کے اندر محفوظ کر دی گئی ہے۔اس کے عین سامنے میونسپل دفاتر ہوتے تھے جن کی بنیادیں اب بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔گویا یہ قدیم دور کا ڈاؤن ٹاؤن تھا۔

نمائش کیلئے رکھی دیگر اشیاء کے دیکھنے سے انسان کو ایتھنز کی پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف کی جھلک نظر آتی ہے۔2012 میں یہاں کھدائی کے بعد جو Sculptures دریافت ہوئے وہ بھی یہاں نمائش کیلئے دیز گلاس کے شو کیسز میں رکھے ہوئے ہیں۔ بلڈنگ سے ملحق برآمدے میں بڑے بڑے مجسمے تھے جن میں سے Aphrodite ایک کا سنگ مرمر کا مجسمہ تھا۔افروڈائٹ محبت اور فرٹیلٹی (افزئش نسل) کی دیوی تسلیم کی جاتی تھی۔

کچھ ہی فاصلے پر چھوٹی پہاڑی پر ایک مندر Temple of Hephaestus ہے جس کی تعمیر 415 قبل مسیح میں ہوئی تھی۔یہ دیوتا Hephaestus کرافٹ مین شپ، میٹل ورکنگ اور آگ کا دیوتا تھا۔مندر کے قریبی علاقے میں میٹل ورک شاپس اور پاٹری ورک شاپس کثیر تعداد میں ہوتی تھیں۔مندر کی شمال سے جنوب تک لمبائی 14 میٹر ، اور مشرق سے مغرب تک 32 میٹر تھی۔سامنے مشرق اور پیچھے مغرب میں چھ ستون جبکہ شمال اور جنوب میں دونوں طرف 13 ستون تھے۔یہ ڈھائی ہزار سال سے ویسے کا ویسا ہے اس میں کوئی خرد برد نہیں ہوا۔بائیبل کی Book of Acts 17:16-33 کے مطابق حواری سینٹ پال c. 5 - c. 64 CE نے ایتھنز کے عوام کو نصرانیت کی تبلیغ کی اور اسی مندر سے متعارف کرایا تھا۔سینٹ پال جب یہاں آیا تو اس نے ایگورا کو مصروف ترین جگہہ پایا جہاں یونانی اور رومن دیوتا اور دیویاں اور ان کے ہیروز کے مجسمے چپے چپے پر رکھے ہوئے تھے۔ساتویں صدی سے لے کر 1834 تک یہ

مندر گریک آرتھوڈاکس چرچ کے طور پر بھی استعمال ہوتا رہا تھا۔ یونانی انقلاب اور 1821 کے بعد یونانی افواج اور عثمانی ترک افواج کے مابین یہ علاقہ کارزار جنگ رہا۔ مندر سے نکل کر اس کے دائیں ہاتھ کی طرف سے جائیں تو ایتھنز کے عہد قدیم کے میونسپل دفاتر کی قدیم عمارتوں کی بنیادیں نظر آتی ہیں۔ بڑی ترتیب اور نفاست سے شہر کی تشکیل کی گئی تھی۔ ہر طرف بے شمار درخت ہیں اور آرام کرنے کیلئے بینچ رکھے ہوئے ہیں۔ آج یہاں درجہ حرارت 28 سینٹی گریڈ تھا۔

جہاں اولمپک گیمز شروع ہوئیں: ایتھنز میں اولمپکس گیمز 776 قبل مسیح میں شروع ہوئی تھیں اور اگلے 1200 سال تک یہ ہر چار سال بعد کھیلی جاتی رہیں۔ ایتھنز میں عہد قدیم کی اولمپکس مذہبی تہوار کا حصہ تھیں جو یونانی دیوتاؤں اور دیویوں کے باپ Zeus کی آنر میں منعقد ہوتی تھیں۔ جس جگہہ پر یہ کھیلی جاتیں اس کا نام اولمپیا Olympia تھا۔ یہاں جو یونانی کھلاڑی Sanctuary of Zeus میں آتے وہ سارے کے سارے مرد کھلاڑی ہوتے تھے۔ اولمپیا کا نام قریب میں واقع Mt. Olympus کے نام پر تھا۔

ہم میٹرو یعنی انڈر گراؤنڈ ٹرین لے کر 'موناسٹراکی' سٹیشن پر اتر گئے۔ ایک صاحب سے اولمپک سٹیڈیم تک جانے کیلئے راستہ پوچھا تو اس نے عمدہ انگلش میں راستہ سمجھا دیا کہ وہاں جانے کیلئے راستہ بڑے پارک میں سے جاتا ہے۔ یہاں قیام کے دوران جتنے لوگوں سے بات کی یا راستہ پوچھا سبھی اچھی انگلش بولتے تھے۔ پارک میں درجنوں گھنے سایہ دار درخت تھے۔ بعض پر مالٹے لدے ہوئے تھے۔ ہر چوراہے پر Kiosk ہیں جہاں پینے کیلئے پانی پچاس پینی میں مل جاتا ہے۔ بلکہ پارک میں ایک جگہہ تو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا فوارہ لگا ہوا تھا جہاں تھوڑی دیر ستانے اور پانی پینے کے بعد آگے چل دئے۔

Zappeion: نیشنل گارڈنز آف ایتھنز میں سے گزرتے ہوئے ایک بڑی عمارت نظر آئی جس کے اوپر Zappeion کندہ کیا ہوا تھا۔ یہ دیدہ زیب عمارت ماڈرن اولمپک گیمز کے احیائے ثانی کیلئے تعمیر کی گئی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد 1874ء میں رکھا گیا اور 1888 میں مکمل ہوئی تھی۔ 1896 کی ماڈرن اولمپک گیمز میں یہ Fencing کے کھیل کیلئے استعمال کی گئی تھی۔ دس سال بعد یہ عمارت اولمپک ولیج کے طور استعمال کی گئی۔ 1938 میں یونان کا پہلا ریڈیو سٹیشن یہاں قائم ہوا تھا۔ 2004 کی اولمپک گیمز میں یہ بلڈنگ پریس سینٹر کے طور پر استعمال ہوئی تھی۔ 1979 میں جب یونان نے یورپین یونین شمولیت اختیار کی تو یہاں پر دستاویزات پر دستخط ہوئے تھے۔

Zappeion

اولمپیئن معبد اور ہیڈرین گیٹ: یہاں پارک میں گزرتے ہوئے جونہی سڑک پار کی تو سامنے ماڈرن اولمپک گیمز کا سٹڈیم آ گیا۔ یہاں پر 1896 میں ماڈرن اولمپک گیمز کھیلی گئی تھیں۔ سٹڈیم کے باہر یونانی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ یہاں پر میوزیم کو دیکھنے کیلئے دس یورو کا ٹکٹ تھا۔ مجھے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں بلکہ میں وہ اصل جگہہ دیکھنے کا متمنی تھا جہاں ڈھائی ہزار سال قبل گیمز شروع ہوئی تھیں۔ کوئی دس منٹ پارک میں سے گزرنے کے بعد مطلوبہ مقام آ گیا جس میں داخلے کیلئے ہمارے پاس ٹکٹ پہلے سے ہی تھا۔ اولمپک گراؤنڈ کو دیکھنے کیلئے گیٹ کے اوپر کندہ تھا: Olympieion - Hadrian's Gate۔ اس کے نیچے اولمپیئن زوس Olympian Zeus کے معبد یا عبادت گاہ کی تاریخ یونانی اور انگلش میں ایک بورڈ کے اوپر درج تھی۔ اولمپک گراؤنڈ سے ملحق اولمپیئن معبد Temple of Zeus کی عمارت ہے جس کے بازو میں ہڈرین گیٹ بھی ہے۔ اس معبد کی تعمیر چوتھی صدی قبل مسیح میں شروع ہوئی اور شہنشاہ ہیڈرین کے دور حکومت میں 131 ق م میں مکمل ہوئی تھی۔ مندر کے اندر دیوتا 'زووس' کا 43 فٹ اونچا مجسمہ ہوتا تھا جو قدیم دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک تھا۔ اس کو بنانے میں 13 سال لگے تھے۔ عہد قدیم کی اولمپک فیلڈ کوئی تین فٹ بال کے سائز کی ہوگی۔ اس وقت پرانے دور کی عمارتوں کی بنیادیں نظر آتی ہیں۔ (بقایا حصہ اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

Temple of Olympian Zeus & Arch of Hadrian

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

(لیکوریا LEUCORRHOEA)

وَإِذَا
مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِيْن

علاماتِ مرض

اس مرض کو سیلان الرحم کہتے ہیں۔عام زبان میں پانی آنا بھی کہا جاتا ہے۔اس مرض میں خواتین کی اندامِ نہانی سے سفید دودھیے رنگ کی یا زرد یا سبز رطوبت نکلتی ہے۔یہ رطوبت کبھی پتلی،کبھی گاڑھی نکلتی ہے۔کبھی کبھی چھچھڑے بھی نکلا کرتے ہیں۔اندام نہانی سے نکلنے والی یہ رطوبت بدبودار اور بے بو بھی ہو سکتی ہے۔

اس مرض میں کمر میں درد اور پیڑو میں بوجھ محسوس ہوتا ہے۔شدید مرض میں صحت بہت بگڑ جاتی ہے شدید کمزوری اور طبیعت سُست ہوتی ہے،چہرہ پیلا پڑ جاتا ہے،ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے،ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں،ایّام ماہواری میں بے قاعدگی ہو جاتی ہے،معمولی مشقت سے بھی دم چڑھتا ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔

اس مرض کے اسباب میں بکثرت حیض کا خُون آنا،لمبا عرصہ تک بچے کو دودھ پلانا، رحم کا ٹلنا اور ورم رحم (Metritis) وغیرہ ہیں۔سوزاک،آتشک اور نقرس وغیرہ بھی اس کے اسباب ہو سکتے ہیں۔یہ مرض عام طور پر گنجان شہروں میں رہنے والی اُن خواتین کو لاحق ہوتا ہے جو مرغن کھانے کھاتی ہیں اور عیاشانہ زندگی گزارتی ہیں۔انگشت زنی بھی اس مرض میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے۔کثرت مجامعت اور اندام نہانی کی خارش بھی اس مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔اندام نہانی میں کوئی خراش دار چیز داخل کرنا بھی اس بیماری کو دعوت دینا ہے۔عام طور ایسی خواتین اس مرض کا شکار ہوتی ہیں جو صفائی کا خیال نہیں رکھتیں،طہارت نہیں کرتیں،میلی کچیلی رہتی ہیں۔ناخن بڑے رکھنا اور زیر ناف بال نہ لینا بھی اس مرض کے اسباب میں شامل ہیں۔

ھو میو پیتھک علاج: ایسا لیکوریا جس میں غیر معمولی بدبو اور تعفن پایا جائے جس سے پتہ چلے یہ عام لیکوریا نہیں بلکہ گہری بیماری کا پیش خیمہ ہے۔Argentum Met. 200 پہلے تین دن روزانہ ایک بار اور پھر ہفتے میں دو تین بار اور اگر لیکوریا گہرے زرد رنگ کا گاڑھا اور لیس دار ہو تو دن میں تین بار Aesculus 30 لینا مفید ہوتا ہے۔

سوزش پیدا کرنے والے لیکوریا کے لیے جس میں خارش بھی ہو تو Natrum Mur30 روزانہ تین بار یا 200 ہفتہ میں دو تین بار اور اگر لیکوریا کاٹنے اور چھیلنے والا ہو اور تیزابیت بھی پائی جائے۔حیض سے پہلے انڈے کی سفیدی جیسا لیکوریا خارج ہو تو روزانہ Phosphorus 30 دو تین بار (مریضہ کو رونے کی رغبت ہوتی ہے)

لیکوریا بہت زیادہ آئے،سخت بدبودار ہو،کپڑوں کو زردی مائل سبز داغ لگانے والا ہو اور ان داغوں کو دھو کر دور کرنا بھی مشکل ہو تو روزانہ تین بار۔ Pulex 30 لینا چاہیے۔

اگر لیکوریا میں سفید مادہ نکلتا ہو۔ Sepia 30 or 200 (اس دوا کی مریضہ کو قبض کے ساتھ پتلا پانی کی طرح،خراش دار کھا جانے والا،زرد یا سُرخی مائل سبز لیکوریا آتا ہے اور ساتھ فرج میں گرمی اور خارش بھی ہوتی ہے۔چہرے پر زرد پھیکے نشان،کمزوری محسوس ہوتی ہے،مزاج میں جھنجھلاہٹ ہوتی ہے،خواتین، میاں سے دور رہنا چاہتی ہیں۔اس دوا کی مریضہ عام طور پر لمبے قد کی ہوتی ہے)

ایسے لیکوریا کے لیے جو رات کو زیادہ ہو جاتا ہو،چھیلنے والا مواد جلن ہو فوراً روزانہ تین بار Carbo Animalis 30 دینی چاہیے بعد ازاں اونچی طاقت میں بھی دی جا سکتی ہے تاخیر ہو جائے تو علامتیں بڑھ کر کینسر میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔(اس دوا کی ایک موٹی نشانی یہ ہے کہ اس کا لیکوریا لنن کے کپڑے پر زرد نشان ڈال دیتا ہے)

لیکوریا اگر انڈے کی سفیدی کی طرح ہو اور صبح کے وقت علامتیں شدت اختیار کر جائیں Calc.Phos 6x روزانہ تین چار بار لینا مفید ہوتا ہے۔

سیلان الرحم جس میں سفید رنگ کی گاڑھی رطوبت خارج ہوتی ہو تو Kali Mur 6x وزانہ تین چار بار اور اگر سیلان الرحم میں خارج ہونے والا مواد سبز، زرد رنگ کا ہو یا سفید پانی کی طرح Kali Sulph 6x روزانہ تین چار بار لینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

لیکوریا زرد رنگ کا جو تیز کاٹنے والا مادہ رکھتا ہو اور اعصابی اُلجھنیں بھی پیدا کرے Calc.Ars. 30 or 200 (اس کے علاوہ Kali phos اور Arsenicum Alb. بھی مفید ہیں جو سخت اور بدبودار اور سوزش پیدا کرنے والے لیکوریا کا توڑ ہیں۔

لیکوریا جنسی جوش کی وجہ سے ہو ۔ Origanum 200

تیزابی لیکوریا کے لیے۔ Iodum 200

لیکوریا دھاگے دار ہو۔ Kali Bich.30

بہت گرم، جلن پیدا کرنے والے لیکوریا کے لیے جو بہت زیادہ مقدار میں ہے۔Borax (اس بیماری میں مبتلا عورتیں بانجھ پن کا شکار ہو جاتی ہیں ایسے میں Borax بہترین اور لازمی دوا بن جاتی ہے) سفید رنگ کے عمومی لیکوریا کے لیے روزانہ Borax+Calc.Phos=30 تین بار لینا مفید ہے۔اس دوا کے چند قطرے پانی میں ڈال کر اندام نہانی دھونا چاہیے۔

اگر زردی مائل لیکوریا کا اخراج ہو۔Agnus Castus 30

خونی آنول کے ساتھ لیکوریا ہو جس سے پہلے درد قولنج ہو تو تیس طاقت میں Socotrina.30 روزانہ تین بار۔

اور اگر حیض سے پہلے بدبودار خُونی لیکوریا ہے۔China 30

جب لیکوریا مچھلی کے چھلکے جیسی بدبو والا ہو تو ہومیو پیتھک دوات Sanicula Aqua 30 مفید ہوتی ہے۔

سبزی مائل گاڑھے لیکوریا کے لیے۔ Bovista 30

اگر تیزابیت کی وجہ سے تکلیفوں میں اضافہ ہو، جلانے اور چھیلنے والا لیکوریا جو ہر وقت بہتا رہے اتنا زیادہ ہو کہ ایڑیوں تک بہے۔فرج میں خارش بھی ہوتی ہے۔ Alumina 200 پہلے تین دن روزانہ بعد میں ہفتے میں دو تین بار لینا فائدہ مند ہوتا ہے۔

جب اخراج خراشدار اور خونی ہو اور سفید مائل لیکوریا جو سفید لینن پر بھورا داغ دے اور ٹانگوں میں کمزوری ہو۔ Kreosotium 30 or 200

پتلا سیلان الرحم رنگ سفید شفاف ہو بکثرت آئے اور پیشاب کرنے کے بعد جلن ہو۔جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ سخت خارش کرنے والی اور تیز ہوتی ہو۔اگر کسی عورت کو ہر وقت رِسنے والا بہت گاڑھا لیکوریا لاحق ہو جس کی وجہ سے بار بار حمل گرنے کا رجحان ہو تو Calc.Carb.200 بہت قیمتی دوا ثابت ہوتی ہے ۔اگر خدا کو منظور ہو تو اگلے حیض سے پہلے حمل ٹھہر سکتا ہے۔ Natrum Carb.200 بھی قیمتی دوا ہے۔

نوٹ: منتخب کی ہوئی ادویات ناکام ہو جائیں تو ہر پندرہ دن بعد Medorrhinum 1M دینا چاہیے۔

ایام حیض سے پہلے اندام نہانی سے بے بو رطوبت خارج ہونا بیماری نہیں بلکہ ایسی رطوبت اندام نہانی کی صفائی کا باعث بنتی ہے۔بیماری تب کہلائے گی جب مسلسل ایک مہینہ رطوبت بدبودار خارج ہو، شدید خارش ہو، ازدواجی تعلق تکلیف دہ ہو جائے، رطوبت پھٹے ہوئے دودھ کی طرح ہو، رطوبت کا رنگ سرمئی یا سیاہ ہو جس سے شدید خارش ہو، رطوبت سبز، زرد یا سفید گاڑھی ہو، دھاگی کی طرح بٹی ہوئی رطوبت ہو تب فوراً بغیر شرم کے کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے ناں کے نام نہاد حکیموں سے۔گھریلو ٹوٹکے بھی ایک حد تک ہی مفید ہیں۔ان سے بچنا بہتر ہے۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیو فزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

18

شمائل نبوی ﷺ (سیرت النبی ﷺ کے درخشان پہلو)

(آنحضرت ﷺ کی صحابہؓ سے رافت، شفقت ومحبت اور صحابہؓ کا عشق رسول ۔ مرسلہ: چوہدری ناز احمد ناصر)

نبی کریم ﷺ کی صحابہؓ سے محبت: محبت کئی وجوہات سے پیدا ہوتی ہے: ''حسن سے یا احسان سے''۔ حسن طبعاً اپنے اندر ایک کشش رکھتا ہے۔ ایک حسین وجود ہر صاحب ذوق کا دل اپنی طرف کھینچ کر کہتا ہے کہ: ''نظارہ حسن تو یہاں ہے''۔ ہمارے نبی کریم ﷺ حسن ظاہری و باطنی کا بہترین نمونہ تھے۔ ایک شاعر نے آپ ﷺ کے بارہ میں اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

خُلِقۡتَ مُبَرأً مِنۡ کُلِّ عَیۡبٍ　　　كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَاء

یعنی اے پاک نبی ﷺ! آپ ﷺ ہر عیب سے اس طرح پاک وصاف پیدا کئے گئے ہیں، گویا جس طرح آپ ﷺ چاہتے تھے اسی طرح ہی بنائے گئے تھے۔

پیکر حسن روحانی: ماہتاب وآفتاب سے بھی بڑھ کر حسین اس پیکر حسن روحانی نے مطلع عالم پر طلوع ہو کر کیا قیامت ڈھائی اس کا ایک نظارہ حضرت براء بن عازبؓ کی نظر نے یوں کھینچا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ''چودہویں کی رات تھی، چاند اپنے جوبن پر تھا، ہمارے محبوب رسول ﷺ نے سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا، میں ایک نظر چودہویں کے چاند پر اور ایک اپنے پیارے محبوب کے روشن چہرے پر ڈالتا تھا اور خدا کی قسم! اس رات مجھے نبی کریم ﷺ کا چہرہ چودہویں کے چاند سے کہیں حسین معلوم ہوتا تھا''۔ (ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال:2735)

بے شک اس چاند چہرے کی کشش بھی نرالی تھی، مگر حسن ظاہری سے کہیں بڑھ کر آپ ﷺ کے حسن باطنی کو کمال حاصل تھا۔ آپ ﷺ خود فرمایا کرتے تھے کہ: ''یہ دلوں کی فطرت ہے کہ وہ احسان کرنے والوں کی طرف مائل اور ان کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں''۔ (کامل لابن عدی جلد 2 ص 701)

رسول کریم ﷺ نے تو بلاشبہ محبت اور احسان کر کے اپنے صحابہ کے دل جیتے۔ آنحضرت ﷺ کی محبتوں کا ہی کرشمہ تھا جس نے نئی محبتوں کو جنم دیا اور اس محسن انسانیت کے ہزاروں عاشق پیدا ہوئے۔ یہ آپ ﷺ کی بے لوث محبت کی برکت تھی۔ صحابہؓ آپ کو دل وجان سے چاہتے تھے اور آپ ﷺ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار ہوتے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی شفقتوں کے جواب میں صحابہؓ کے رسول اللہ ﷺ سے عشق وفدائیت کے نظارے بھی دراصل سیرت رسول ﷺ کا ایک اہم باب ہے۔ محبتوں کے یہ قصے دل کو بہت ہی لبھانے والے ہیں، جن میں سے چند نمونے اس جگہ پیش کئے جائیں گے:

رافت وشفقت: نبی کریم ﷺ کے بارہ میں ان کے پاکیزہ اخلاق کا نقشہ قرآن کریم میں اس طرح پیش کیا گیا ہے: لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔

ترجمہ: (اے مومنو!) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے، تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے۔ یعنی وہ تمہاری بھلائی کا بے حد خواہش مند ہے اور مومنوں کے ساتھ انتہائی نرمی ورافت سے پیش آنے والا اور محبت وپیار کا سلوک کرنے والا ہے۔ سورۃ التوبہ

نبی کریم ﷺ کی رافت ورحمت اپنی مثال آپ تھی۔ دراصل آپ ﷺ کی محبت یا نفرت خدا تعالیٰ کی خاطر ہوا کرتی تھی اور اس بارہ میں خدا تعالیٰ کا آپ ﷺ کو حکم قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوا ہے: وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ۔ . . اور تو ان لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح وشام اس کی توجہ چاہتے ہوئے پکارتے ہیں، مت دھتکار (یعنی وہ خدا کی رضا چاہتے ہیں)۔

اس بارہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی اپنے صحابہؓ سے رافت کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

1 ۔غریبوں سے دوستی: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی جس کا نام زاہر تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات کی چیزیں تحفہ میں لا کر دیا کرتا تھا اور نبی کریم ﷺ اسے انعام واکرام سے نوازتے اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں''۔ حضور ﷺ اس سے بہت محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ وہ شخص بہت سادہ شکل کا بھدا سا تھا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اس کو دیکھا کہ وہ بازار میں اپنا سودا بیچ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پیچھے سے جا کر اس کی باہیں اس کی گردن میں ڈال دیں۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکا۔ کہنے لگا: ''اے شخص! مجھے چھوڑ دو''۔ پھر اس نے جو مڑ کر دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ حضور ﷺ ہیں۔

اس پر وہ خوشی سے اپنی پشت حضورﷺ کے جسم سے رگڑنے لگا۔ حضورﷺ فرمانے لگے: ''میرا یہ غلام کون خریدے گا''۔ وہ بولا: ''اے اللہ کے رسول! پھر تو آپ (ﷺ) مجھے بہت ہی بے کار سودا پائیں گے''۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم گھاٹے کا سودا نہیں ہو، تمہاری بڑی قدر و قیمت ہے''۔ (مسند احمد جلد 3 ص 161 مطبوعہ بیروت)

2 ۔ غریب صحابہؓ سے شفقت: (1) غریب صحابہؓ کو کامل نور کی بشارت:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''میں غریب مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا، جن پر تن کے پورے کپڑے بھی نہیں تھے۔ ایک قاری ہمیں قرآن سنا رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہﷺ تشریف لائے۔ آپﷺ ہمارے پاس کھڑے ہوئے تو قاری خاموش ہو گیا۔ آپﷺ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا: ''تم کیا کر رہے ہو؟''۔ ہم نے جواب دیا کہ: ''اے اللہ کے رسولﷺ! یہ قاری ہمیں قرآن شریف سنا رہے تھے''۔ حضورﷺ نے فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے کہ جن کے ساتھ مجھے مل بیٹھنے اور حسن معاشرت کا حکم دیا گیا ہے''۔ پھر آپﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے: ''حلقہ بنا لو تا کہ سب کے چہرے سامنے ہوں''۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: ''میرا خیال ہے، حضورﷺ نے میرے سوا کسی کو نہیں پہچانا''۔ آپﷺ فرمانے لگے: ''اے مہاجرین میں سے مفلسوں کی جماعت! تمہیں قیامت کے دن کامل نور کی بشارت ہو، تم جنت میں امراء سے آدھا دن پہلے داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہے''۔

(ابوداؤد کتاب العلم باب القصص)

(2) ایک حبشی خاتون کی دلداری: غلاموں اور لونڈیوں کا جو حال اس زمانہ میں تھا، تاریخ سے واقفیت رکھنے والے اسے خوب جانتے ہیں، ان سے جانوروں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ ایک حبشی لونڈی مدینہ میں رہتی تھی، اسے مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔ ایک روز بے چاری اپنی بیماری کی شکایت لے کر حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ: ''حضورﷺ! مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے تو میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، آپﷺ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ وہ مجھے اس تکلیف اور بے پردگی سے بچائے''۔ آپﷺ نے اس حبشی خاتون کی بہت دلداری فرمائی۔ کچھ دیر تسلی کی باتیں اس سے کرتے رہے، پھر فرمانے لگے کہ: ''اگر تم چاہو اور صبر کر سکو تو تمہیں اس کے بدلہ میں جنت ملے گی اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ معجزانہ طور پر تمہیں اس بیماری سے شفا دے دے''۔ وہ کہنے لگی: ''حضورﷺ! میں صبر کرتی ہوں، لیکن آپﷺ یہ دعا ضرور کریں کہ میں مرگی کی حالت میں بے پردگی سے بچ جاؤں''۔ حضرت ابن عباسؓ لوگوں کو اس لونڈی کو دکھا کر کہتے تھے: ''کیا میں تمہیں اہل جنت میں سے ایک عورت نہ دکھاؤں''۔ (الشفاء للقاضی عیاض جز ثانی صفحہ 111)

(3) ایک مجنون عورت کے ساتھ رسول کریمﷺ کی شفقت و محبت:

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول (ﷺ) نے ایک مجنون عورت کے ساتھ رسول کریمﷺ کی شفقت و محبت کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے کہ: ''مدینہ میں ایک پاگل عورت رہتی تھی، (جس کا نام ''ام زفر'' تھا، حضرت خدیجہؓ کی خادمہ خاص رہ چکی تھی، بعد میں عقل میں کچھ فتور پڑ گیا)۔ وہ ایک روز حضورﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: ''مجھے آپﷺ سے ایک ضروری کام ہے۔ علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں''۔ آپﷺ نے کس وسعت حوصلہ سے اس کمزور اور دیوانی عورت کو یہ جواب دیا کہ ''اے فلاں کی ماں! مدینہ کے جس راستہ یا گلی میں چاہو بیٹھ جاؤ، اور میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر بات سنوں گا اور تمہارا کام کر دوں گا''۔ چنانچہ وہ عورت ایک جگہ جا کر بیٹھ گئی۔ حضورﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ رہے۔ اس عورت نے اپنی حاجت بیان کی اور آپﷺ اس وقت تک اٹھے نہیں جب تک اس عورت کی تسلی نہیں ہو گئی۔ (ابن ماجہ کتاب الزھد باب البرائۃ من الکبر: 4167)

بدوؤں سے شفقت و رافت کا سلوک: (1) اُجڈ بدوؤں اور درشت رو اعراب:

مدینہ کے اردگرد رہنے والے اجڈ بدوؤں اور درشت رو اعراب سے بھی آپﷺ ہمیشہ رافت کا سلوک فرماتے، جن کے اخلاق و عادات کے بارہ میں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی دیہات (اور جنگلوں) میں رہنے والے عرب کفر اور نفاق میں (سب عربوں سے) بڑھے ہوئے ہیں اور (جہالت کی وجہ سے) اس کے مستحق ہیں کہ جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے اس کی حدود کو نہ پہنچانیں اور اللہ بہت جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

اکثر و بیشتر جنگلی بدو آ کر عجیب و غریب سوال آپﷺ کی مجلس میں کرتے ہیں اور آپﷺ ہیں کہ نرمی کے ساتھ جواب دیتے چلے جا رہے ہیں۔ آپﷺ محو گفتگو ہوتے ہیں کہ ایک بدو آ کر مخل ہوتا ہے اور درمیان میں ٹوک کر سوال کرتا

ہے کہ ''قیامت کب آئے گی؟'' اب جس شخص کو دین کی سمجھ بوجھ ہی نہیں اسے اس کے سوال کا کیا جواب دیں اور کیسے سمجھائیں۔ چنانچہ حضورﷺ اپنی بات جاری رکھتے ہیں اور صحابہؓ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں کہ شاید حضورﷺ نے اس کا سوال سنا ہی نہیں اس لئے خاموش ہیں۔ چنانچہ حضورﷺ صحابہؓ کے ساتھ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد پوچھا کہ ''قیامت کی بابت پوچھنے والا کہاں ہے؟'' وہ شخص عرض کرتا ہے کہ ''اے خدا کے رسولﷺ! میں حاضر ہوں''۔ آپﷺ نے فرمایا: ''جب امانت ضائع ہو جائے گی تو اس وقت قیامت کا انتظار کرنا''۔ بدو یہ جواب سن کر اور سوال کر دیتا ہے کہ ''جناب! امانت کے ضائع ہونے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا''۔ آپﷺ از راہ شفقت پھر اسے سمجھانے لگ جاتے ہیں کہ ''امانت کے ضائع ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حکومت نا اہل لوگوں کے سپرد ہو جائے تو سمجھنا کہ یہ قیامت کی علامت ہے''۔ (بخاری کتاب العلم باب من سئل علماً)

(2) ایک بدو کا کام: ایک دفعہ نبی کریمﷺ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، اس دوران ایک بدو آیا اور آپﷺ کا دامن پکڑ کر کہنے لگا کہ ''میرا ایک چھوٹا سا کام ہے، ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں، آپﷺ میرے ساتھ مسجد سے باہر تشریف لا کر پہلے میرا کام کر دیں''۔ چنانچہ آپﷺ باہر تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے واپس تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

ایک حبشی کی دلداری: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک حبشی رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرنے لگا۔ حضورﷺ نے اسے فرمایا کہ ''سوال کر کے مسائل سمجھ لو''۔ وہ کہنے لگا کہ: ''اے اللہ کے رسولﷺ! آپﷺ سفید لوگوں کو ہم کالے لوگوں پر شکل وصورت اور رنگ کے لحاظ سے بھی فضیلت دی ہے اور نبوت کے لحاظ سے بھی، اگر میں آپﷺ کی طرح ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپﷺ ایمان لائے ہیں اور جس طرح آپﷺ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی کروں تو کیا مجھے بھی جنت میں آپﷺ کا ساتھ نصیب ہو سکتا ہے؟'' آپﷺ نے فرمایا: ''ہاں کیوں نہیں''، پھر آپﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جنت میں ایک سیاہ حبشی کے نور کی سفیدی ایک ہزار سال کی مسافت سے بھی نظر آئے گی''، پھر فرمایا: ''جس شخص نے کلمہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے ایک عہد لکھا جاتا ہے، جو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ۔۔ پڑھتا ہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔ وہ شخص کہنے لگا: ''یارسول اللہﷺ! ان باتوں کے باوجود پھر ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟'' رسول کریمﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص قیامت کے دن ایک عمل پیش کرے گا کہ اگر اسے ایک پہاڑ پر بھی رکھا جائے تو پہاڑ کو اٹھانا بوجھل معلوم ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اس عمل پر بھاری ہو گی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دامن پھیلا کر اسے زیادہ اجر عطا فرما دے''۔ پھر حضورﷺ نے سورۃ الدَّھْر کی ابتدائی اکیس آیات کی تلاوت فرمائیں، جن میں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اس پر وہ حبشی کہنے لگا: ''یارسول اللہﷺ! کیا میری آنکھیں بھی جنت کی نعمتوں کو اسی طرح دیکھیں گی جس طرح آپ کی آنکھیں دیکھتی ہیں''۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''ہاں کیوں نہیں''۔ اس پر وہ حبشی بے اختیار رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: ''میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ اس حبشی کی تدفین کے وقت نبی کریمﷺ اسے خود اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار رہے تھے۔

(مجمع الزوائد جلد 10 ص 420 مطبوعہ بیروت)

صحابہؓ کا عشق رسولﷺ

1۔ آنحضرتﷺ کی حضرت ابوبکر سے محبت: یوں تو نبی کریمﷺ کو اپنے تمام اصحابؓ ہی بہت پیارے تھے مگر سب سے قریبی اور قدیمی باوفا دوست، حضرت ابوبکرؓ کا اور ہی مقام تھا، جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر آپﷺ سے وفا کر دکھائی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے رسول خداﷺ سے گھریلو بے تکلف گفتگو کے دوران پوچھا کہ ''آپﷺ کو اپنے اصحابؓ میں سے سب سے پیارے کون ہیں؟'' آپﷺ نے فرمایا: ''ابوبکرؓ''، پوچھا ''پھر کون؟'' فرمایا: ''عمرؓ''، حضرت عائشہ نے پوچھا: ''پھر کون؟'' فرمایا: ''ابوعبیدہ بن الجراحؓ''۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جز 4 صفحہ 102 بیروت)

2۔ حضرت ابوبکر کا عشق رسولﷺ: حضرت ابوبکرؓ کو بھی عشق کی حد تک اپنے آقاﷺ سے پیار تھا۔ ان کے ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، ابھی مسلمان چالیس (40) افراد سے بھی کم تھے کہ انہوں نے آنحضرتﷺ سے بڑے اصرار کے ساتھ خانہ کعبہ میں اعلانیہ عبادت کرنے کی درخواست کی اور مجبور کر کے خانہ کعبہ لے گئے۔ کفار نے خانہ کعبہ میں عبادت کرتے دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو خوب مارا پیٹا، یہاں تک کہ آپ کو اٹھا کر گھر پہنچا دیا گیا۔ جب ذرا آرام آیا تو پہلا سوال یہ پوچھا کہ: ''میرے آقاﷺ کا کیا حال ہے؟ کیا رسول کریمﷺ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی؟'' (السیرت الحلبیہ جلد 1 ص 295 بیروت) (بقایا اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 29)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جا سکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بددیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

پاکستان کا سب سے بڑا شیطان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر ہوابازی جناب غلام سرور خان نے ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء کو کہا تھا:۔

’’پاکستان میں شیطان کے نائب بھی موجود ہیں، شیطان کبھی پی ڈی ایم اور کبھی ایم آر ڈی کی صورت میں سامنے آتے ہیں، پاکستان میں سب سے بڑے شیطان کا نام فضل الرحمان ہے۔‘‘

غلام سرور خان نے یہ بات حسن ابدال میں ترقیاتی کاموں کی افتتاحی تقریب سے خطاب میں کہی تھی۔ (مہر نیوز ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء)

یاد رہے کہ ۲۵ اگست ۲۰۲۰ء کو ٹیکسلا میں لیبر کمپلیکس کے دورے کے دوران غلام سرور خان نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے اپوزیشن جماعتوں پر شدید تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں ’’واجب القتل‘‘ بھی قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

’’ان چور، کرپٹ اور بدکردار ڈکیتوں نے پچھلے 35 برسوں کے دوران ملک کو جمہوریت کے نام پر لوٹا ہے۔ ان کرپٹ سیاست دانوں نے غریبوں کا خون چوسا ہے، اس لیے یہ واجب القتل ہیں۔‘‘

(۲۵ اگست ۲۰۲۰ء بی بی سی نیوز)

یہ بھی یاد رہے کہ غلام سرور خان نے ۱۲ مارچ ۲۰۲۲ء کو یہ بھی کہا تھا کہ:۔

’’میری خواہش ہے کہ جہاں ملک اور دین کے دشمن بیٹھے ہوں، میری سوچ تو یہ ہے کہ جہاں سارے ملک اور دین کے دشمن بیٹھے ہوں وہاں خودکش دھماکا کروں اور سب کو نیست و نابود کر دوں لیکن اسلام میں خودکشی حرام ہے۔‘‘ (روزنامہ جنگ۔ 14 مارچ 2022ء)

اس ضمن میں جناب شاہنواز فاروقی کہتے ہیں کہ ’’چار مارچ کو قصہ خوانی بازار پشاور کی امامیہ مسجد میں خودکش حملہ آور نے درجنوں عبادت گزار شہید کر دیے۔ اب ریاست کے ذمے دار مناصب پر فائز افراد کی بے حسی دیکھیے۔ 12 مارچ کو ہوابازی کے وفاقی وزیر غلام سرور خان جلسہ عام میں اس خواہش کا اعلان فرماتے ہیں کہ وہ خودکش بمبار بن کر ملک اور دین کے دشمنوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اشارہ معنی خیز ہے کہ 73 برس قبل 12 مارچ (1949) ہی کے دن ریاست نے بابائے قوم کے طے کردہ نصب العین سے انحراف کرتے ہوئے قرارداد مقاصد کی صورت میں قوم کا تشخص بدل ڈالا تھا۔ قائداعظم نے کسی مذہبی امتیاز کے بغیر تمام شہریوں کی برابری کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ریاست کا حقیقی فرض تمام شہریوں کا معیار زندگی بہتر بنانا ہے۔ قائد کو ادراک تھا کہ کسی خاص مذہب کو ترجیحی درجہ دینا ریاست کی تباہی کا نسخہ ہے کیوں کہ عقیدہ فرد کے ضمیر کا انتخاب ہے، اسے دوسروں پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی معاشرے میں انفرادی رنگارنگی کی طرح عقیدوں کی تفہیم میں بھی بے پناہ تنوع پایا جاتا ہے۔ ریاست کا منصب

عقاید کی تحکیم یعنی غلط یا صحیح کا فیصلہ کرنا نہیں بلکہ تمام شہریوں کے حق عقیدہ کی حفاظت ہے"۔ (روزنامہ جسارت۔۲۷ مارچ 2022ء)

دعوت اسلامی پاکستان

دارالعلوم دیوبند انڈیا سے ایک سوال پوچھا گیا تھا کہ "دعوت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا الیاس قادری کو سننا ٹھیک ہے کہ نہیں؟"

جواب نمبر:57466

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Fatwa ID:313-315/4=N/1436-U دعوت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا الیاس قادری، فرقہ رضاخانی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے بیانات میں اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف بے شمار باتیں پائی جاتی ہیں، جیسے: اعتقادی اور عملی مختلف بدعات مروجہ کی تائید کرنا اور اہل حق علمائے کرام پر سب وشتم وغیرہ کرنا؛ بلکہ یہ رضاخانی فرقہ کے ایک بڑے ترجمان ہیں؛ اس لیے بغرض استفادہ ان کے بیانات ہرگز نہ سنے جائیں بالخصوص عوام کو تو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند انڈیا

واجب القتل کون؟

محترمہ روبینہ فیصل صاحبہ لکھتی ہیں:۔

مولوی صاحب!! کیا اسلام صرف نماز، روزہ، داڑھی اور عبا وعمامہ کا نام ہے؟ کیا اسلام جنت میں حوریں، شہد، اور دودھ کی نہروں کا لالچ یا دوزخ کی دہکتی آگ کا ڈراوا ہے؟ اور روح کی صفائی کا کوئی تعلق نہیں؟ روح کی صفائی کے ساتھ دینِ اسلام، دنیا بھی ہے، کیونکہ اسلام آیا ہی جاہل بدوٴ کو ضابطہء حیات سکھانے تھا، ورنہ خدا کی عبادت تو کسی نہ کسی طرح ہو ہی رہی تھی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اسلام نام ہیصرف "تکمیل اخلاق" کا؟ آپ ارکانِ مذہب کی جتنی مرضی پابندی کرلیں، اگر آپ انسانوں کی عزت نہیں کرتے، منافق، دھوکے باز اور جھوٹے ہیں، اور اپنی ذاتی یا خاندانی یا حکومتی خوشی کی خاطر، انسانوں کی کم علمی یا معصومیت سے کھیل رہے ہیں، تو آپ مسلمان ہی کیا انسان بھی نہیں۔

جس پاک ہستی کا نام لے کر کلمہ حق کے دعوے کرتے، شہادتوں کے مقام متعین کرتے اور لوگوں کو توہین رسالت کے نام پر واجب القتل قرار دیتے ہیں، اس پاک ہستی کو آپ جانتے بھی ہیں کہ وہ کون تھی؟ جانتے بھی ہیں کہ تاریک غارِ حرا کی الہامی کیفیت میں ڈوبے رہنے کے بعد جس روشنی کے ساتھ آپ ﷺ باہر آئے تھے وہ روشنی کیا تھی؟ جانتے ہیں وہ "صراطِ مستقیم"، جس کی آپ ﷺ تبلیغ کرتے تھے وہ کیا تھا؟ وہ انسان کے اندورنی سکون اور باہر کی دنیا میں امن پھیلانے کا ایک توازن تھا۔ غارِ حرا کی تاریکی میں وہ پوری دنیا کے لئے رحمت کی روشنی ہاتھ میں تھامے نکلے تھے۔ رحمت۔۔۔۔۔۔ زحمت نہیں۔

مولوی صاحب کیا آپ جانتے ہیں توہین رسالت کیا ہے اور کون کر رہا ہے؟ آپ۔۔سب سے بڑی توہین رسالت، توہین خدا اور توہین مذہب آپ کر رہے ہیں۔

ہاں!! کسی ذات کی اس سے بڑی توہین کیا ہو گی کہ، اس کے پیغام کا مقصد تباہ اور معنی الٹ دئے جائیں۔ وہ لوگوں کو درگزر کرنے کی ہدایت کرتے رہے آپ انسانوں کو نفرتوں کی بھٹی میں جھونک رہے ہیں، پیارے پیغمبر ﷺ اپنی زبان سے دشمنوں کے لئے بھی بدکلامی نہ کرنے کا درس دیتے تھے اور آپ ان کا نام لے کے ننگی گالیاں دیتے ہیں۔ اسلام، صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ سب انسانوں کا مذہب ہے، آپ اسے نفرتوں کی قینچی بنا کر چھوٹے چھوٹے فرقوں کے دائروں میں کاٹ رہے ہیں۔ آپ جدید دور میں لوگوں کو جہل وتاریکی کی طرف لے کر جا رہے ہیں، جو مذہبِ اسلام کی تعلیمات کے برعکس ہے، آپ خدا اور اس کے رسول کی نہیں، اپنے نفس کے بُت کی پرستش کرتے ہیں۔ آپ فتوی دینے کی فیکٹریوں کے مالک ہیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ وہی مولوی ہے جس نے 1857 کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان کو مسجد میں دھکیل دیا تھا، اور انگریز حکومت کو خوش کرنے کے لئے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ حاکمِ وقت کی اطاعت فرض ہے، لہٰذا کوئی بغاوت کا نہ سوچے۔ منبروں سے مسلمانوں کو انگریزی زبان سے دور رہنے کے احکامات جاری کئے جاتے تھے اور اسی وقت رام موہن رائے ہندوؤں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کر رہا تھا، سرسید احمد خان نے جب مسلمانوں کی یہ کم عقلی دیکھی تو انہیں انگریزی اور سائنس کی طرف دھکیلا تو انہی مولویوں نے انہیں ''کافر'' کہا۔ اگر آج دنیا میں ہم تھوڑا بہت سر اٹھا کر جینے کے قابل ہیں تو اسی سرسید کی وجہ سے، ورنہ مولوی نے تو ہمیں اس قابل بھی نہیں چھوڑنا تھا کہ اپنے حصے کی سانس بھی لے پاتے۔

یہ کہتے ہیں کافروں کی بنائی کھیلوں اور ایجادوں سے دور رہو۔ آپ تو انسانیت کو علم یا ضابطہ حیات کے نام پر ایک حرف دینے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ جس جن کا نام ''مولوی'' ہے اور وہ بوتل سے باہر نکلا آیا ہے اور بقول احمد بشیر کے دندناتا پھرتا ہے، بنیادی طور پر تو وہ جن بھی کسی مسلمان نے نہیں ایک ہندو نے بوتل سے باہر نکالا تھا۔ یاد کریں تحریکِ خلافت میں گاندھی صاحب کا متحرک کردار اور محمد علی جناح کی حکمتِ عملی۔۔۔ پاکستان، قائداعظم نے اسلام کی کسی تجربہ گاہ کے طور پر نہیں بنایا تھا، اگر کانگریس الیکشن میں اکثریت ملنے کے بعد اپنے مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا مظاہرہ نہ کرتی، تو قائداعظم کے ذہن میں تو کسی اسلامی نظریہ کا دور دور تک خیال تک نہ تھا۔ وہ تو صوبوں کی خودمختاری کی سیاسی اور قانونی لڑائی لڑنے میں مصروف تھے۔ انہیں تو یہ مولوی'' کافرِ اعظم'' کہتے تھے اور آج انتہائی بے شرمی سے انہی کے بنائے ملک میں بیٹھ کر اسلام اسلام کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس عظیم انسان نے تو ملک بناتے ہی صرف معاشی انصاف اور مساوات کی بات کی، جو اسلام کا پہلا سبق ہے، انسانوں کو فرقوں اور مذاہب کی بنیاد پر کاٹا پیٹا نہیں۔۔ پہلا وزیر خارجہ کون تھا؟ ایک قادیانی۔۔ پہلا وزیر قانون کون تھا؟ ایک ہندو۔۔ ترقی کے راستے پر پاکستان اور پاکستانیوں کو لے جانے کے لئے فرقوں اور مذاہب کو نہیں بلکہ قابلیت کو دیکھا۔۔ کہاں ہے قائد کا پاکستان؟ یہ تو متعصب ہندو کا ملک لگ رہا ہے جہاں ذات پات کی بنیاد پر لوگوں کے درجات طے ہو رہے ہیں۔ یہاں تو گاندھی کا بوتل سے نکالا ہوا مذہب کا جن دندناتا پھر رہا ہے۔

پوری انسانیت کو فلاح اور امن کا راستہ بتانے والا مذہب، جس کی تکمیل پیارے محمد ﷺ کی ذات مبارک پر ہوئی تھی۔ اس کے نام پر کھلی درندگی، غلیظ زبان اور انسانوں کا قتل اور بے حرمتی؟ میرا رب تو غنی اور معاف کرنے والا ہے، وہ ایسی تنگ دلی اور نفرت کو کیسے قبول کرے گا؟ میرا رب تو پاکیزہ اور طاہر ہے، وہ ایسی کثافت اور گندگی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے جو ہم پنڈی دھرنے میں دیکھ رہے ہیں؟

مولوی صاحب!! آپ جیسوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپ تو ہٹلر کی وہ نازی فوج ہیں جنہوں نے جرمن قوم کو تباہ کر دیا تھا، آپ لوگ لنکا کے وہ راجہ راون ہیں، جس کے ہزاروں ہاتھ تھے، ایک ہاتھ گھائل ہوتا تو دوسرا لڑنے لگ جاتا۔ آپ لوگ چنگیز خان، ہلاکو، سکندر تو ہو سکتے ہیں، جنہوں نے ذاتی سکون کے لئے مستقل مزاجی سے فتوحات کیں مگر عفو و درگزر سے کام لینے والے، دنیا میں توازن اور محبت کا پیغام پھیلانے والے رحمۃ للعالمین کی پاک ذات سے آپ جیسوں کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ کیا ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ رسولِ پاک ﷺ کا عہد مبارک ہے، مگر صرف اس لئے نہیں کہ نمازیں 40 سے 5 ہو گئی تھیں یا شادیاں لامحدود سے 4 تک محدود ہو گئی تھیں، یا وضو کرنے کا طریقہ، اور نماز روزے کے آداب مکمل ہو گئے تھے، نہیں بلکہ انسانیت کا سبق محمد ﷺ کی ذات پر مکمل ہوا تھا۔ اور ان ﷺ کی ذاتِ مبارک تو پاکیزگی اور سچائی کا نمونہ تو تھی ہی ان کا تعلق ایسے قبیلے سے تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی زبان سے بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس لئے عرب جیسی جاہل، تشدد پسند قوم جسے سمجھانا پتھر میں جونک لگانے کے مترادف تھا، ایسے لوگوں کے لئے آپ ﷺ کا ظہور ہوا تھا اور ایسے فطری مذہب کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ آپ امن و آشتی پھیلانے والے اسلام کے پیروکار نہیں بلکہ مولوی صاحب آپ چودہ سو سال پہلے پیدا ہونے والے بدو دماغ، نفس پرست، عورتوں کی بے عزتی کرنے والے ہیں اور آپ، اس کامل مذہب کی، اس کے پیغمبر کی، اس کے خدا کی توہین کر رہے ہیں، اگر پورے پاکستان میں کوئی واجب القتل ہے تو وہ صرف اور صرف آپ ہیں جو سماج کو انتہا پسندی کے راستے پہ ڈالنے والے ہیں۔۔۔ کیونکہ آپ سے زیادہ توہینِ رسالت آج تک کسی نے نہیں کی۔ مجھے ہمدرد سمجھا رہے ہیں مولویوں کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالو۔۔ مگر کوئی کچھ بھی کہے، کہے مجھے کیا۔۔ بات جو میرے دل میں ہے، میں اگر آج اپنی زبان پہ لا نہ سکا۔۔۔ کل، میرے بعد، تیری منڈلی پہ جب۔۔۔ آگ برسے گی، کون بولے گا! (مجید امجد)

(بشکریہ مکالمہ ۲۷ نومبر ۲۰۱۷ء)

قرض! (افسانہ)

(افسانہ نگار: محمد نعیم یاد (جوہر آباد، ضلع خوشاب۔ پاکستان)

سنا ہے ماں ایک رشتہ
ایک جذبہ، قربانی کی مثال
محبتوں کا گہوارہ، خوشیوں کا پہناوہ ہے۔
غموں کے بادل سے اوپر صبر کے پہاڑ کی چوٹی
گود اپنی میں سر سہلاتی، پیار سے تھپتھپاتی
آنکھوں سے جھولا جھولاتی
راتوں میں اس کی دھڑکنوں کا پہرہ ہے۔
انگلی ہی اس کی اولاد کا سہارا
قدموں کا راستہ،
اور سانسوں سے جڑا اولاد کا کنارہ ہے۔
وہ جس کے قلب سے اولاد نے اپنے قلب کی پہلی دھڑکن سیکھی
وہ جس نے اپنی اولاد کو ایک ایک لفظ سکھایا
انھیں لفظوں سے اس نے جگر کے ٹکڑوں کو خط لکھا۔
دیکھو! پاپا سخت بیمار ہیں
بستر سے لگ گئے ہیں
جلد آؤ اور پریشانی میں میرا ساتھ دو۔
وہ جس کے بدن سے دور ہو کر بھی اس کی روح کے قریب تھے
وہ جن کی دھڑکنیں اس ایک دھڑکن سے جڑی تھیں
یہ کیسے ہو سکتا تھا وہ دور رہتے۔
خط کا پڑھتے ہی سب گھر آنے کی تیاری کرنے لگے۔
ہر ایک کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی
آخر کو وہ ان کا باپ تھا
وہ باپ
جس نے سینے پہ سر رکھ کے سلایا تھا
سارا دن گہری دھوپ میں کام کر کے انھیں پڑھایا لکھایا تھا
خود کو ایندھن بنا کر انھیں گرمائش پہنچائی تھی
ان کے چہرے پہ خوشیاں بکھیر کے جو خوش ہوتا تھا۔
وہ جو پھل دے دے کر اب بھی انھیں اپنے گہرے سائے میں پناہ دیے
ہوئے تھا، یہ کیسے ہو سکتا تھا وہ دور رہتے
تینوں برخوردار وقت پہ آ پہنچے۔
باپ انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا
مگر تینوں بیٹوں نے لپک کر باپ کو تھام لیا
ابا جی! آپ آرام فرمائیے
ہم ہیں نا!
ماں تینوں کو ایک ساتھ دیکھ کر خوش ہوئی
کتنی فرمانبردار اولاد رب نے بخشی تھی
وہ انھیں دیکھ کے بلائیں لینے لگی
اولاد کو دیکھ کر اس کا دکھ کم ہونے لگا۔
رات کے کھانے کی وہ تیاری کرنے لگی
جلدی سے سب کے لیے کھانا تیار کیا
بڑی مدت سے تینوں بیٹے اکٹھا کھانا کھا رہے تھے۔
کھانے کے دوران ماں نے تینوں کو باپ کی بیماری کا بتایا
ڈاکٹر کا کہنا ہے یہاں علاج ناممکن ہے۔
بڑے شہر لے جاؤ
تم تینوں تو بڑے بڑے شہروں میں ہو
مل کر فیصلہ کر لو کہ باپ کو کہاں لے کر جانا ہے۔
یہ سنتے ہی سب بیٹے خاموش ہو گئے
جلدی سے کھانا ختم کیا اور اپنے کمروں میں گھس گئے۔

ماں ان کو دیکھتے ہی حیرت میں ڈوب گئی
خدایا! یہ اولاد کیا کرنے لگی۔
تینوں سر جوڑ کے بیٹھ گئے
کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا
ہر ایک دوسرے کو کوس رہا تھا
میری تو مجبوری ہے تم کیوں نہیں لے جاتے۔
دوسرے نے کہا، میرے گھر کا مسئلہ ہے
بچوں کے امتحان ہیں تم لے جاو!
تیسرے نے کہا:
میری بیوی بیمار ہے
سسر کی خدمت کیا کرے گی؟
ایک دوسرے پہ ڈالنے سے بات بڑھنے لگی
تو تو میں میں ہونے لگی۔
ماں کے کانوں میں سب کی آواز پڑی
وہ چپکے سے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔
ٹھیک ہے تم نہیں لے جاتے تو نہ سہی
میں ابھی زندہ ہوں
ویسے بھی اولاد سے زیادہ بیوی کا حق ہے۔
تم سب اپنے اپنے گھروں کو سنبھالو
میں خود لے جاؤں گی
بڑے شہر سے خاوند کا علاج کرا سکتی ہوں
ہمیں تم سے کوئی گلہ نہیں
تم بھی صاحبِ اولاد ہو
جو آج ہمارا ہے وہ کل تمھارا ہے۔
مگر ایک بات تو سنو
میں یہ سب اکیلے کر لوں گی
مگر
علاج کا خرچ تو تم دے سکتے ہو؟
ماں کی بات سنتے ہی سب کے چہروں پہ رونق آ گئی۔
ماں قسم سے بڑی مجبوریاں ہیں ورنہ ہم خود لے جاتے
پیسوں کی فکر نہ کرو
سب نے اپنے اپنے پرس نکالے۔
ہزار ہزار کے کئی نوٹ ماں کے ہاتھوں میں پکڑا دیے
ماں نے نوٹوں کو تھاما اور باہر چلی گئی۔
صبح ہوتے ہی تینوں بھائی باپ سے ملتے ہی
اپنے اپنے شہر کو روانہ ہو گئے
باپ نے سوالی نظروں سے بیوی کو دیکھا
بیوی نے پیسے خاوند کے ہاتھوں پہ رکھے
مبارک ہو! ہماری اولاد اپنے قدموں پہ کھڑی ہو گئی۔
ہماری انگلیوں کو تھام کر چلنے والے اب پرواز کرنے لگے۔
مبارک ہو!
اپنی کمائی سے تمھاری بیماری کا خرچ دے کر
انھوں نے اپنی پرورش کا سارا قرض اُتار دیا۔۔۔۔

☆☆☆

جناب ڈاکٹر طارق مرزا صاحب کے مضمون ادبی گستاخیاں سے ایک اقتباس

''جونہی اسٹیج پر کسی سینئر شاعر کو مدعو کیا جاتا ہے ان کی نیم وا آنکھیں پوری طرح کھل جاتی ہیں۔ ابھی شاعر اپنی نشست سے کھڑا بھی نہیں ہوتا کہ ارشاد ارشاد کی گردان شروع ہو جاتی ہے۔ جونہی شاعر کے ہونٹوں پر پہلا لفظ آتا ہے واہ واہ کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کئی دفعہ تو شاعر نے کلام سنانا شروع بھی نہیں کیا ہوتا بلکہ کوئی تمہیدی جملہ کہا ہوتا ہے اس پر بھی واہ واہ کے ڈونگرے برسنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی استاد محترم ہیں جو تھوڑی دیر پہلے خوابِ خرگوش میں دکھائی دیتے تھے۔''

پشتون شاعر ریاضیؔ خٹک

(تلاش و پیشکش: مبارک احمد خان مبارک)

مختلف تذکروں میں ایک ایسے شاعر کا نام بھی آیا ہے جو پشتون سرحدی تھے اور فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی جیسے بلند پایہ استاد شاعر کے شاگرد تھے۔ان کا نام بابو میر علی خان ہے،تخلص ریاضی اختیار کیا تھا۔جہانگرہ ضلع نوشہرہ میں ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔آپ السنہ شرقیہ کے ماہر تھے۔فارسی،عربی،پشتو اور اردو زبان میں مہارت رکھتے تھے۔اردو اور پشتو میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔اس کا اعتراف کچھ یوں کرتے ہیں۔

حضرت داغؔ سا استاد ریاضیؔ نہ ہوا
یوں تو دنیا میں ہزاروں ہی سخن داں ہوں گے

پُر گوئی کے ساتھ آپ کی شاعری میں مضمون کی ندرت نمایاں نظر آتی ہے۔زندگی کا کچھ حصہ پشاور اور نوشہرہ میں گذارا۔۱۹۱۸ء میں وفات پائی اور ان کی تدفین ان کے آبائی قبرستان میں کی گئی۔

تذکرہ نویسوں نے بطور نمونۂ کلام چند اشعار محفوظ کر لیے ہیں جو ذیل میں قارئین کے ذوقِ مطالعہ کے لیے درج کے جاتے ہیں۔

عشق سینے میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
دل میں اک شعلہ عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
دل والوں کے بھی اشعار سنے ہیں ہم نے
پر ریاضیؔ ترا اندازِ سخن کیا کہنے
میری باتوں کو بہت یاد کرو گے دیکھو
مجھ سا ہو گا نہ کوئی سحر بیاں میرے بعد
رونقِ بزم جو وہ شمع شبتان ہوں گے
مثل پروانے کے ہم جان سے قربان ہوں گے
دیکھیئے دیکھیئے ہنسیئے نہ مرے رونے پر
آپ کے سر کی قسم آپ ہی گریاں ہوں گے
نہ ملے گا نہ ملے گا کوئی مجھ سا ان کو
قتل کر کے مجھے آخر وہ پریشاں ہوں گے
تو نے چلمن سے جو اک بار جو کہیں دیکھ لیا
ہم نے پھر پھر کے تجھے مہ جبیں دیکھ لیا
دل دیا ظلم ہے غیر کے حاسد ٹھہرے
عشق کا ہم نے تو انجام حزیں دیکھ لیا
پردہ داری تو ہوئی یار کی ہم دم معصوم
کل سرِ شام ہی سے دشمن کے قریں دیکھ لیا

اپنی تعریف کرتے ہوئے اس شعر میں یوں کہا ہے

اُٹھ گئی رونقِ بازار تباں میرے بعد
مٹ گیا عشق و محبت کا نشاں میرے بعد

☆☆☆

شعروشاعری

''دل میں آگ لگی ہے اِس کو اور فزوں ہو جانے دو''

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

عشق میں ہوتا آیا ہے یہ ہم کو یوں ہو جانے دو
رکھ کر بھی دل کیا کرنا ہے ، اِس کا خوں ہو جانے دو
راہِ وفا میں اہلِ وفا کب عقل کی باتیں سنتے ہیں
ان کو کیا پروا اس کی ، ہو جا ئے جنوں ہو جانے دو
لاکھ بچایا ہم نے خود کو اس کے ہاتھوں ہار گئے
جادو یہ سر چڑھ کر بولے ، یہ بھی فسوں ہو جانے دو
بیکل ہو کر دن گزرے ہیں تارے گنتے راتیں بھی
دل کو چین ملا ہے اب کچھ دیر سکوں ہو جانے دو
اس کی قربت میں جا کر ہی پگھلیں گے جذبات مرے
دل میں آگ لگی ہے اِس کو اور فزوں ہو جانے دو
تم کیا جانو، پیار میں کیا کیا ، کرنا پڑتا ہے قربان
فکر کرو تم اپنی، میرا ، حال زبوں ہو جانے دو
طارق اس کا وعدہ ہے ، مضطر کی دعا وہ سُنتا ہے
ہو جاؤں سچ مُچ اس کا ، گر اس سے کہوں ہو جانے دو

''عذاب یہ ہے''

محترمہ امۃ الباری ناصر صاحبہ

کلام پڑھنا اور اس سے کوئی سبق نہ لینا عذاب یہ ہے
نہ خوف ہونا خدا کو بھی ہے جواب دینا عذاب یہ ہے
لگی ہیں مہریں بصارتوں پر نہ دیکھ پائیں جو حق کو یکسر
نہ کام لینا سماعتوں سے لبوں کو سینا عذاب یہ ہے
نہ اپنی منزل کی کچھ خبر ہے نہ راہیں کوئی نہ راہ بر ہے
خود اپنے سود و زیاں کا سارا شعور کھونا عذاب یہ ہے
یہ کیسی کافر گری کی صنعت ہے کوئی چھوڑا نہیں مسلماں
اگلنا زہروں کو نفرتوں کو رواج دینا عذاب یہ ہے
غضب میں دھیما تو ہے وہ لیکن سزا بھی دیتا ہے بے حسی پر
صحیفوں میں جو لکھا ہوا ہے وہ بھول جانا عذاب یہ ہے
نہیں ہے امن و امان باقی سزائیں ہر دم برس رہی ہیں
کہیں ندامت ہے اور نہ توبہ نہ شر سے ہٹنا عذاب یہ ہے
نہ کوئی خوش کن خبر کہیں سے نہ کوئی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا
عتاب سہ کے بھی گمراہی میں مگن ہی رہنا عذاب یہ ہے
نہ سمجھیں آگیں لگانے والے کہ اپنا دامن بچا سکیں گے
یہ آگ پھیلی تو ہوگا اس میں سبھی کو جلنا عذاب یہ ہے

''بچانا الٰہی ہم کو صیادِ مہیب سے''

محترمہ منیرہ منیر صاحبہ

شکوہ نہ گلہ کوئی اپنے نصیب سے
طالبِ دُعا ہیں ہم اپنے حبیب سے
دھند ہے کیسی یاں ہوا و ہوس کی
پاتے ہیں لوگ گِرد اپنے عجیب سے
طاری ہے جن پر سحر وہم و گمان کا
گزرتے نہیں کبھی ہم اِن کے قریب سے
اوڑھ لیا ہے پیرہن کیوں درد و الم کا
پوچھیں گے گلشن میں ماجرا عندلیب سے
نالۂ آہ ہے خدایا تیرے حضور
بچانا الٰہی ہم کو صیادِ مہیب سے
پہنچے بامِ عروج پر جس کے دم سے ہم
رکھتے ہیں ناطہ ہم سدا ایسے طبیب سے

رکھتے ہیں پختہ عزمِ ہم اپنے کام سے
ڈر کیسا پھر ہمیں اپنے رقیب سے
رکھتے ہیں سُخن وری کا انوکھا انداز ہم
تنقید کے محور میں ہے منیرہ نقیب سے

''عمر بھر وہ میرا ہو جائے یہ ضروری تو نہیں''

منیر باجوہ

خشک دریا میں روانی آئے یہ ضروری تو نہیں
چشمِ جلاد میں پانی آئے یہ ضروری تو نہیں
باغباں بیج تو بوتا ہے گلستاں کے لئے
گلستاں پھول مہکائے یہ ضروری تو نہیں
بجلیاں راکھ کر ڈالیں نشیمن کو مگر
کالی گھٹا روز ہی چھائے یہ ضروری تو نہیں
زخمِ دنیا دلِ مضطر کو تو سہنے ہیں مگر
دل انہیں دنیا کو دکھائے یہ ضروری تو نہیں
چوٹ کھا کے بھی ہم نے تو بھلا کرنا ہے
اس پہ دل اشک بہائے یہ ضروری تو نہیں
عشق کرنے کو تو ہر شخص کیا کرتا ہے
عشق میں چین بھی پائے یہ ضروری تو نہیں
جان معشوق پر قربان تو ہو سکتی ہے
معشوق اسے دل میں بسائے یہ ضروری تو نہیں
میں اسے دل سے کروں پیار یہ ضروری ہے مگر
وہ بھی کبھی پیار جتائے یہ ضروری تو نہیں
عمر بھر میں رکھوں دل میں بسا کر اس کو
عمر بھر وہ میرا ہو جائے یہ ضروری تو نہیں
حُسن کو پانا تو عشق کی منزل ہے منیر
عشق بھی حُسن کو راس آئے یہ ضروری تو نہیں

''مرے اندر یہ کیسی کیا گھٹن ہے''

محترمہ نیلم رباب صاحبہ

میں شاعر ہوں یہ میری انجمن ہے
مرے دل میں سمندر موجزن ہے
مری ہستی ہے طوفانوں کی زد میں
ہر اک طوفان سے اجڑا چمن ہے
مقدر کے ستارے جو جتے ہیں
ہر اک اپنی جگہ مشق کہن ہے
سوالوں کے کٹہرے میں کھڑی ہوں
محبت ہے یہی کیا اپنا پن ہے؟
ہمیں تم سے جو الفت ہی نہیں ہے
تو پھر کیوں ہوتی تجھ کو یوں جلن ہے
بنی ہے زیست مانند شعلہ
مرے اندر یہ کیسی کیا گھٹن ہے
جہاں نیلم کی دھارا بہہ رہی ہے
وہیں پر پتھروں کی بھی چبھن ہے

''ٹوٹ نہ جائے گفتار سے تیری دل کسی کا''

محترمہ ناصرہ امتیاز صاحبہ

خدا کی یاد میں چند لمحوں کی فرصتیں رکھنا
ہمیشہ ہمیش تم خوشبو جیسی محبتیں رکھنا
رنج و الم کو نہ بناؤ ہرگز اپنی کمزوری تم
گر چاہتے ہو مسرتیں ، دور اپنی نفرتیں رکھنا
ٹوٹ نہ جائے گفتار سے تیری دل کسی کا
اپنی باتوں کو تُو ہر دم دل نشیں رکھنا
تجھ کو ملنے کی آرزو ہے دل میں مولیٰ
آساں سب پیار کی تُو منزلیں رکھنا

ملا ہے جب سے ساتھ تیرا میرے پیارے
نفرت کسی سے نہیں سب سے محبتیں رکھنا
کہتا ہے وہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ
رازق ہے وہ ، یاد ہمیش اس کی نعمتیں رکھنا
آنکھیں بچھا کر اپنی صبح و مساء اس کی راھوں میں
کوئی عجب نہیں دل میں ہردم اس کی چاہتیں رکھنا
ناصرہ تو چاہتی ہے،اپنے رب سے قربتیں رکھنا
ہر لمحہ لب پہ اپنے پیارے رب کی مدحتیں رکھنا

''سنگ تیرے گزرے ہر پل کی بہت یاد آئی''

شاہد سلیم

آج بچھڑی ہوئی منزل کی بہت یاد آئی
آنکھوں میں بسی چنچل کی بہت یاد آئی
غمِ فراق سہتے عہدِ زیست بیت گیا
سنگ تیرے گزرے ہر پل کی بہت یاد آئی
اہتمام جہاں میری جاں کُشی کا کیا گیا
اُس قہقوں بھرے مقتل کی بہت یاد آئی
چشمِ تر سے نہ بجھی سوختہ جگر کی آگ
اُٹھتے دھویں سے بنی شکل کی بہت یاد آئی
اوراق پہ وہ الفاظِ سُخن سہمے سہمے لگے
شاید قلم کو وجہِ غزل کی بہت یاد آئی
نہ ہجومِ جلوت جب سبب شادمانی کا بنا
شاھد تب کھوئے ھوئے حاصل کی بہت یاد آئی

''سنگ تیرے گزرے ہر پل کی بہت یاد آئی''

احسان دانش

رہے جو زندگی میں زندگی کا آسرا ہو کر
وہی نکلے سریر آرا قیامت میں خدا ہو کر
حقیقت در حقیقت بتکدے میں ہے نہ کعبہ میں
نگاہ شوق دھوکے دے رہی ہے رہنما ہو کر
مآل کار سے گلشن کی ہر پتی لرزتی ہے
کہ آخر رنگ و بو اڑ جائیں گے اک دن ہوا ہو کر
ابھی کل تک جوانی کے خمستاں تھے نگاہوں میں
یہ دنیا دو ہی دن میں رہ گئی ہے کیا سے کیا ہو کر
مرے سجدوں کی یا رب تشنہ کامی کیوں نہیں جاتی
یہ کیا بے اعتنائی اپنے بندے سے خدا ہو کر
سرشت دل میں کس نے کوٹ کر بھر دی ہے بیتابی
ازل میں کون یا رب مجھ سے بیٹھا تھا خفا ہو کر
یہ پچھلی رات یہ خاموشیاں یہ ڈوبتے تارے
نگاہ شوق بہکی پھر رہی ہے التجا ہو کر
بلا سے کچھ ہو ہم احسان اپنی خو نہ چھوڑیں گے
ہمیشہ بے وفاؤں سے ملیں گے باوفا ہو کر

''نہ جانے وہ کیوں بدگماں ہو رہا ہے''

محترمہ بشارت سکھی صاحبہ

عجب وحشتوں کا سماں ہو رہا ہے
یقیں بدگماں بدگماں ہو رہا ہے
جہاں پر کبھی ہائے دل تھا ہمارا
وہاں تو دھواں بس دھواں ہو رہا ہے
ابھی زخم پہلے بھرے ہی کہاں تھے
جو پھر مہرباں آسماں ہو رہا ہے
جو ہر لفظ میں جان کہتا تھا ہم کو
نہ جانے وہ کیوں بدگماں ہو رہا ہے
کوئی چوٹ گہری لگی آج دل پر
جو اشکوں کا جھرنا رواں ہو رہا ہے
ہیں مطلب کے سارے یہ رشتے یہ ناطے
رویوں سے سب کچھ عیاں ہو رہا ہے
یہ کیسی اداسی سر شام چھائی
عجب ملگجا آسماں ہو رہا ہے
ہے ہر بار دھوکہ نصیبا سکھی کا
تو حیران کیوں یہ جہاں ہو رہا ہے

GB CONSTRUCTION GENERAL BUILDERS LTD

Building Services
- Building Renovations
- Brick Work
- Block Work
- Concrete Work
- Drainage
- Plastering
- Foundations & Bases

Home Improvements
- Fitted Bathrooms
- Fitted Kitchens
- Extensions
- Garage Conversions
- Loft Conversions
- Windows

Landscaping
- Driveways
- Block Paving
- Patio Areas
- Garden Walls
- Fencing
- Services

Electrical Services
- Installations
- Consumer Units
- Fuse boxes
- Re-Wiring

Offering Building Services throughout London

Email: info@rhac.co.uk - Tel: 020 36747909, 07792998973

پیشوا ہومیو کلینک

ادارہ پیشوا کی زیر نگرانی کام کرنے والا پیشوا ہومیو کلینک اپنے قارئین کی صحت کے متعلق مسائل کے حل کے لئے مقررہ اوقات میں مفت مشورہ کی سہولت پیش کر رہا ہے۔ آج ہی فون کر کے مفت مشورہ حاصل کریں یا براہ راست جواب کے لئے ای میل کریں۔ اگر قارئین پیشوا اوقات کے متمنی ہوں تو وقت طے کرنا ضروری ہے۔ (تمام ہومیو ادویات تمام [illegible] موجود ہے)

اوقات کلینک

[illegible] 13.00 PM تا 17.30 PM ۔۔۔ بروز جمعہ 15.30 PM تا 17.30 PM

2. London road , Morden Surrey , SM4 5BQ , U.K

Telephone Number Tel.020.36747909

peshwaltd@gmail.com....www.peshwa.co.uk

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL **07792998973**

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk